فہرست

۱۔ عمرو اور استاد

۲۔ امیر اور عمرو عیار

۳۔ عمرو اور وزیر بختک

۴۔ عمرو اور موت کا فرشتہ

۵۔ عمرو کی چالاکیاں

۶۔ امیر اور مہر نگار کی شادی

عمرو اور استاد

آج سے کئی سو سال پہلے ملک مدائن میں ایک بادشاہ نوشیرواں حکومت کرتا تھا جو بڑا بہادر شجاع اور عادل تھا۔ اس کے عہد میں ہر شخص خوش تھا۔ ظلم وستم کا اس شہر میں کہیں نام ونشان نہ تھا۔ شیر و بکری ایک گھاٹ پانی پیتے تھے اس لیے وہ ''نوشیرواں عادل'' کے نام سے تاریخ میں مشہور رہا۔

نوشیرواں کا وزیر خاص بزرجمر عقل و دانش میں لاثانی تھا جانوروں کی زبانیں جانتا تھا اور خواب کی تعبیر بتانے میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔ بادشاہ کوئی بھی فیصلہ اس کے مشورے کے بغیر نہ کرتا تھا

ایک دن نوشیرواں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ مشرق کی طرف سے ایک کوا آیا اور اس کے سر دے تاج اڑا کر لے گیا پھر مغرب سے ایک باز آیا اس نے کوے کو مار کر وہ تاج پھر بادشاہ کے سر پر رکھ دیا۔ اس خواب کو دیکھ کر بادشاہ جاگ اٹھا اور صبح ہوتے ہی اپنے وزیر بزرجمر کو بلایا اور شب کا خواب کہہ سنایا بزرجمر نے کچھ سر کھجایا اور پھر یوں تعبیر خوابت بتایا ایک مشرق کی طرف ایک شہر ہے نام جس کا ''خیبر'' ہے وہاں ایک بادشاہ حشام پیدا ہوگا جو آکر بادشاہ کا تخت وتاج چھین لے گا اور دوسری جانب مغرب کی طرف ایک شہر مکہ ہے وہاں اس ماہ چاند کی چودھویں کو ایک لڑکا پیدا ہوگا وہ حشام کو مارے گا اور آپ کا تخت وتاج آپ کو واپس دلائے گا ۔ یہ سن کر بادشاہ پھولا نہ سمایا ۔ بزجر کو انعام وخلعت عنایت فرمایا اور مکہ کی طرف روانہ کیا کہ چودھیوں رات کو جولڑکا پیدا ہوتو اس کی ہمارے بیٹوں کی طرح پرورش کرو اور وہ ہمارے لڑکے کی طرح مشہور ہو۔ سر بزرجمر تحفے تحائف لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے ۔مکہ کے باہر قیام کیا اور حکم دیا کہ چودھیوں کی رات کو جو فرزند پیدا ہو ہمارے پاس لے آؤ کہ اس کا نام بھی رکھیں گے اور ماہانہ بھی جاری کریں ۔

چند دن انتظار کے بعد آخر چودہ تاریخ آئی اور بزرجمر اپنے علوم ونجوم کا کھاتہ

کھول کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سردار اپنی گود میں اپنے فرزند کو اٹھا کر لایا بزرجمہر نے بچے کو ہاتھوں پر اٹھایا اور جنم کنڈلی کو جو بنایا تو پتہ چلا یہ وہی لڑکا ہے جو بادشاہ کا تخت وتاج واپس کرے گا ہفت الکیم سے اخراج کرے گا۔ تمام جہاں میں اپنا نام پیدا کرے گا۔ **ملک ملک** کے پہلوانوں کو زیر کرے گا، بے شمار **ملک** فتح کرے گا۔ بزرجمہر نے اس لڑکے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ''امیر'' نام رکھا بچے کے باپ کو مبارکباد دی اور بچے کی سلامتی کے لیے خدا کے حضور دعا کی اور ایک صندوق اشرفیوں سے بھرا ہوا اور روپوں سے بھرا ہوا بچے کے باپ کو دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص جس کا نام بشیر تھا ایک بچے کو لایا۔ بزرجمہر نے اسے بھی گود میں اٹھایا اور اس کی جنم کنڈلی کو جو بنایا تو پتہ چلا کہ ہر میدان میں یہ امیر کا ساتھ دے گا۔ تیر اندازی کے فن میں بادشاہ ہوگا۔ سو نام اس کا بزرجمہر نے ''مقبل وفادار'' رکھا اور لڑکے کے باپ کو دو ہزار اشرفیوں کا ایک تھیلا دیا اور وہ بادشاہ کو دعائیں دیتا ہوا واپس لوٹا، راستہ میں اس ملاقات ''اعمیر چالاک'' سے ہوئی۔ پوچھا کہ کہاں خوش خوش جاتا ہے اور یہ ہاتھ میں کیا ہے اور کہاں سے پایا ہے۔ تیرے پاس یہ مال واسباب کہاں سے آیا بشیر نے کہا سب خدا کی شان ہے۔ یہ تھیلا اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ کہہ کر سارا قصہ سنایا۔ اعمیر چالاک کے منہ میں پانی بھر آیا۔ فوراً بھاگا اور اپنی بیوی سے کہا کہ ہمارے ہاں بچہ پیدا ہونے میں کتنی دیر ہے؟

اس نے کہا۔ تو مجھ سے ایسی بے حیائی کی باتیں کیوں پوچھتا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ عمیر چالاک نے اپنی بیوی کو خوب مارا اور وہ مارے درد کے چلا اٹھی اور لڑکا جن کے مر گئی۔ عمیر چالاک نے بیوی کی قطعی پرواہ نہیں کی اور بچے کو اٹھا کر سیدھا بزرجمہر کے پاس لے آیا۔ بزرجمہر نے بچے کو اٹھایا اور پھر وہی عمل دہرایا اور چلا اٹھا کہ یہ بچہ عیاران روئے زمین کا بادشاہ ہوگا چستی و چالاکی میں کوئی اس سے بڑھ کر نہ ہوگا، سب کو زبان کی تلوار سے زیر کرے گا۔ مکروفریب سے سب کو

جال میں پھنسائے گا اور خوب مزے اڑائے گا۔امیر کا رازداں ہوگا امیر کو فقط اپنا سچا آقا کہے گا ہر حکم بجالائے گا۔امیر کو بہت سے خطرات سے بچائے گا۔یہ کہہ کر بچے کو پیار کیا اور عمرو عیار نام رکھا اور اس کے باپ کو ہزار اشرفیوں کا تھیلا دیا۔اتنے میں بچے نے رونا شروع کر دیا اور کسی طرح چپ نہ ہوا اس کو چپ کرانے کے لیے بزرجمر نے اپنی انگلی اس کے منہ میں دے دی۔بزرجمر کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی ۔عمرو نے اس کو منہ میں اتار لیا اور چپ ہوگیا۔تھوڑی دیر بعد جو بزرجمر کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی تو دیکھا کہ انگوٹھی غائب ہے ہر جگہ تلاش کیا، ادھر ادھر ڈھونڈھا جب نہ ملی تو خاموش ہوگیا کسی سے نہ کہا تاکہ لوگ شرمندہ نہ ہوں۔خیر دودھ منگوایا خود پیا اور ایک قطرہ عمرو عیار کے منہ میں ڈالنے کے لیے جو اس کا منہ کھولا تو منہ کے اندر انگوٹھی کو پایا۔یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور کہا کہ یہ اس کی پہلی عیاری ہے۔غرض یہ کہ بزرجمر نے تینوں بچوں کو ایک سناسی دایہ کے سپرد کر دیا جو ہر روز بچوں کی دیکھ بھال کرتی۔وہ دایہ جس کا نام عادیہ بانو تھا وہ تینوں لڑکوں کو دودھ پلاتی تھی کیا دیکھتی تھی کیا دیکھتی ہے کہ عمرو روز بروز موٹا ہوتا جارہا ہے۔سب حیران تھے کہ سب کو ایک جیسی خوراک دی جارہی ہے پھر عمرو کے موٹا ہونے کا سبب کیا ہے۔

ادھر عمرو روزرات کو چپکے سے اٹھتا تھا اور گھٹنوں کے بل چل کر ادھر اُدھر پھرتا جو چیز ملتی کھالیتا اور جو چیز اچھی لگتی اٹھالاتا اور عادیہ بانو کے پان دان میں چھپا دیتا ۔ادھر صبح ہوتی تو دھوم مچتی کہ فلاں چیز غائب ہے جب تلاش کی جاتی تو عادیہ بانو کے پان دان میں سے ملتی اور وہ بے چاری شرمندہ ہوتی۔اسی طرح کچھ دن گزر گئے ایک دن امیر بزرجمر کا قیمتی موتی چوری ہوگیا، بہت ڈھونڈا نہیں ملا کہیں بھی۔مجبور ہو کر غلاموں اور لونڈیوں کو باندھا اور دایہ کو بھی دھمکایا ڈرایا کہ جہاں بھی ہو فوراً موتی حاضر کر دو ورنہ بہت سزا دی جائے گی۔ہرگز معافی نہ ہوگی۔سب روتیں تھے کہ ہم نے نہیں لیا۔غرض بزرجمر عمرو کے پاس آئے اور پیار کرنے کے

لیے جھکے تو دیکھا کہ عمرو کا گال سوجا ہوا ہے فوراً دائی کو بلایا اور عمرو کے گال سوجنے کا سبب پوچھا، اس بے چاری نے کہا کہ رات کو اچھا بھلا سویا تھا۔ اس وقت خدا جانے اس کو کیا ہوا بزرجمہر نے معلوم کرنے کی خاطر گال پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا دبایا تو عمرو کے منہ سے موتی نکل پڑا۔ بزرجمہر حیران ہوئے کہ خدا خیر کرے یہ لڑکا تو بڑا چور ہوگا ۔جن جن کو باندھا تھا کھول دیا گیا اور دائی سے معذرت کی غرض یہ کہ اسی طرح پانچ سال گزر گئے اور پھر تینوں بچوں کو مکتب میں بٹھایا گیا اور ایک مشہور استاد کو اتالیق مقرر کیا۔ اول روز استاد نے تینوں کو بسم اللہ پڑھوائی۔ دوسروں دن جو سنی تو سب نے سنائی مگر عمرو نے تکرار شروع کردی۔ استاد نے کہا ''الف'' تو عمرو نے کہا ''برحق' استاد نے کہا میں تجھ سے کیا کہتا ہوں اور تو کیا کہتا ہے۔ عمرو نے کہا آپ نے کہا الف اور میں نے کہا برحق یعنی الف واحد ہے اور ذات اللہ بھی واحد ہے اور برحق ہے تب استاد نے کہا اے لڑکے تو پڑھنے آیا ہے یا پڑھانے آیا ہے۔ غرض یہ کہ اسی طرح الف پر کئی دن بحث ہوتی رہی غرض استاد نے الف کے بعد کہا ''ب'' کے نیچے ایک نقطے ''ت'' کے اوپر دو نقطے ''ث'' کے اوپر تین نقطے ''ج'' کے اندر ایک نقطے عمرو نے جو دیکھا تو قاعدہ بند کیا اور امیر و مقبل کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا چلو ہم گھر چلیں ہم اس بدتمیز استاد سے سبق نہیں پڑھیں گے ہم اس سے قاعدہ پڑھنے آتے ہیں حساب کتاب کرنے۔ کہ کسی کے پاس ایک، کسی کے پاس دو اور کسی کے درمیان ایک بتاتا ہے۔

غرض یہ کہ عمر انہی شرارتوں سے کسی کو بھی پڑھنے نہیں دیتا، استاد نے بزرجمہر سے شکایت کی تو انہوں نے عمر کو امیر سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کیا مگر امیر رو دیا اور کہا کہ اگر عمر مجھ سے جدا ہوا تو میں مر جاؤں گا۔ سو بزرجمہر نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ ایک دن جب لڑکے پڑھنے کے بعد آئے اور دوپہر کے وقت سو گئے تو عمرو نے استاد کی پگڑی چرالی اور حلوائی کے پاس لے گیا اور پانچ روپے کی بیچ کر مٹھائی لے آیا کچھ

کھائی اور بڑے لڈوں میں جمال گوٹا ملا کر رکھ دی اور سو گیا استاد اٹھا تو دیکھا کہ مٹھائی کو ٹوکرا دھرا ہے۔ استاد نے جگا کر پوچھا تھا کہ یہ مٹھائی کیسی ہے۔ عمرو نے کہا بابا جان نے نذر مانی تھی یہ مٹھائی وہ لائے تھے وہ کافی دیر بیٹھے رہے آپ سوئے رہے جب آپ نہ جاگے تو ان کو ضروری کام تھا تو مجھ کو اٹھا کر لے کہہ گئے کہ اس پر فاتحہ دلوا کر تقسیم کر دینا۔ استاد نے فاتحہ پڑھ کر اوپر سے بڑے بڑے پیڑے اٹھا کر جن میں جمال گوٹہ ملا ہوا تھا وہ کھا لیے اور باقی مٹھائی عمرو، امیر اور مقبل کے آگے رکھ دی اور تمام لڑکوں کو شریک کر کے کھائی۔ دو چار منٹ گزرے تو استاد کے پیٹ میں گڑبڑ ہوئی تو کچھ ڈرا اور کہا عمرو تو نے مجھے کیا کھلایا۔

عمرو نے کہا مجھے بدنام نہ کیجئے۔ سب نے یہی کھائی ہے، آپ کو تھوڑی بھوک تھی اور کھائی بہت، اس گرانی اور بدہضمی سے پیٹ چھوٹ گیا، غرض شام تک استاد کا برا حال تھا لڑکوں کو چھٹی دی اور شام کو کپڑے بدلے اور پگڑی دیکھی تو کہیں نہ پائی ہلڑکے جا چکے تھے ناچار دوپٹہ سر کو لپیٹ کر ہاتھ میں عصا لے کر مسجد میں سے گھر کی طرف چلے۔ جونہی حلوائی کی دکان کے آگے سے گزرے تو حلوائی نے بلایا اور کہا کہ آپ پر کیا برا وقت آیا کہ پگڑی کے عوض مٹھائی منگوائی۔ استاد بہت شرمندہ ہوئے۔ پگڑی کو پانچ روپے کے عوض واپس لیا اور گھر کی طرف چل دیے۔

دوسرے دن مسجد میں آیا تو عمرو کو جھاڑو دیتے ہوئے دیکھا۔ خاموش ہو گیا اور سوچا شاید اپنے کیے پر نادم ہے۔ تھوڑی دیر بعد باقی بچے بھی آ گئے۔ سب کو پڑھانے کے بعد استاد نے نہانے کے لیے حمام جانے کا فیصلہ کیا اور خضاب تیار کر کے عمرو کو دیا اور کہا کہ تم اس خضاب کو لے جا کر وہاں حمام میں رکھو میں ابھی آتا ہوں۔ عمرو خضاب لے کر چلا راستے میں شرارت سوجھی اور خضاب میں ایک تولہ ہڑتال (جس سے انسان کے بال صاف ہو جاتے ہیں) باریک کر کے ملا دیا اور حمام میں جا کر رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد استاد آیا اور خضاب ڈاڑھی مونچھوں کو لگایا اور رانڈ

کے پتوں سے باندھ کر بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر بعد پتے کھولے اور جیسے ہی گرم پانی منہ پر ڈالا اور ہاتھ سے داڑھی کو ملا تو ہاتھ میں سارے بال آ گئے ۔بہت شرمندہ ہوا اور منہ چھپا کر سیدھا بزرجمہر کے پاس آیا اور کہا دیکھو آج عمرو نے میرا کیا حشر کر دیا ۔میرے چہرے سے داڑھی صاف ہوگئی ۔عمرو نے مجھے ہیجڑا بنادیا ۔بزرجمہر نے معذرت کی اتنے میں عمرو آ گیا بزرجمہر نے بلوا کر خوب مارا ۔اب تو عمرو استاد کا دشمن ہوگیا اور دل ہی دل میں استاد کے بارے میں ترکیبیں سوچنے لگا ۔دوسرے دن مکتب جاتے وقت ایک دوکان پر رکا اور دکان دار سے کہا کہ تمہارے گھر میں تمہاری اماں نے سوئیوں کا ڈبا منگوایا ہے ۔دوکان دار جانتا تھا چنانچہ سوئیوں کا ڈبہ عمرو کو دے دیا ۔اس دن عمرو ذرا جلدی مکتب پہنچ گیا ۔سوئیاں استاد کی کرسی پر بچھا دی اور خود واپس آ گیا اور پھر سب لڑکوں کے ساتھ مکتب گیا ۔استاد آیا اور بے دھیانی میں کرسی پر بیٹھ گیا ، بیٹھتے ہی بے چارے کے بدن میں گڑ گئیں اور خون بہنے لگا اور مچھلی کی طرح تڑپنے لگا ،تب لڑکے بڑے گھبرائے ،قریب آئے سوئیاں نکالیں ۔استاد درد سے آہیں بھرتا تھا ۔عمرو قریب کھڑا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ یہ حرکت کس کی ہے تو ہم اس کی بھی ایسی حالت کریں گے ۔استاد نے گھر جانے کی سوچی ،تو عمرو فوراً سواری لے آیا ، استاد کو اس میں بٹھایا اور ساتھ چل پڑا ۔جب سواری اس دکاندار کی دکان کے آگے سے گزری تو اس کی نظر عمرو کی طرف پڑی بے اختیار دوکان سے دوڑا اور کہنے لگا کہ اے لڑکے تو بڑا شریر ہے بھلا میری ماں نے کب سوئیاں منگائی تھیں ۔استاد نے سوئیوں کا نام سنا تو دکان دار کو قریب بلایا تو دکان دار نے سب حال کہہ سنایا ،عمرو نے سوچا کہ اب خیر نہیں اور آنکھ بچا کر بھاگا اور مکتب آ کر امیر اور مقبل سے کہا اب اس شہر میں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ۔امیر نے وجہ پوچھی تو کہا مجھے بات کرنے کا وقت نہیں ہے ۔بس اب تم سب سے جدا ہوتا ہوں امیر نے کہا اے عمرو تیری جدائی مجھ سے کب سہی جائے گی میں بھی تیرے ساتھ چلتا

ہوں امیر اور مقبل بھی عمرو کے ساتھ ہو گئے اور شہر کے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں جا چھپے۔ رات ہوئی تو وہیں سوئے۔ صبح اٹھ کر چشمہ کے پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی اور عمرو سے کہا کہ یہ دن تو نے دکھایا کہ بھوکوں مرے جاتے ہیں۔ عمرو نے کہا فکر نہ کرو۔ ابھی جاؤں گا اور کچھ نہ کچھ تو لے کر آؤں گا۔ عمرو گیا ادھر اُدھر تلاش کیا مگر کچھ نہ ملا ایک درخت پر خرمے لگے ہوئے تھے ان کو توڑا اور واپس آیا سب نے مل کر وہ خرمے کھائے۔ ادھر یہ لڑکے سبھی اپنے کیے پر نادم تھے۔ تیسرے دن بزرجمر تلاش کرتے کرتے اس پہاڑ تک پہنچ گیا۔ جونہی عمر نے بزرجمر کو آتے دیکھا تو کہا اب میرا یہاں سے بھاگنا ہی مناسب ہے۔ تم اپنی فکر کرو یہ کہہ کر وہ ایک طرف بھاگا۔ جب امیر نے بزرجمر کو دیکھا تو فوراً قریب آیا بزرجمر نے سینے سے لگایا اور کہا میں جانتا ہوں تمہاری خطا نہیں ہے ساری خطا اس شیطان زادے کی ہے۔ بزرجمر امیر اور عقبل کو لے کر واپس آئے اور تاکید کی عمر یہاں ہرگز نہ آئے۔ اسی طرح تین دن گزر گئے۔ امیر کو عمر کی یاد بہت آتی تھی مگر خاموش ہو جاتا تھا۔ آخر سات دن بعد امیر عمر کے غم میں بیمار ہو گیا اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مجبوراً بزرجمر نے تلاش کے عمر کو بھی واپس امیر کے پاس بھجوایا۔ امیر بہت خوش تھا غرض یہ کہ اسی طرح دن گزرتے رہے۔

ایک دن یہ تینوں باغ میں جا پہنچے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ امیر کو بڑا سکون ملا اور مقبل کی گود میں سر رکھ کر سو گیا عمر ادھر ادھر پھرنے لگا۔ ایک درخت کو دیکھا کہ اس میں خرمے لگے ہوئے تھے اس پر چڑھ گیا۔ خوب خرمے توڑے اور نیچے آ کر کھانے لگا تھوڑی دیر بعد امیر جاگا اور عمر سے پوچھا کہ یہ خرمے کہاں سے لائے ہوں؟

کہا درخت پر چڑھ کر توڑ لایا ہوں۔ امیر نے کہا لاؤ، آج میں بھی درخت پر چڑھ کر خرمے توڑوں یہ کہہ کر درخت پر چڑھنے لگا۔ عمر نے جو یہ دیکھا تو شرارت

سوجھی اور کہا۔درخت پر چڑھنا ہم جیسے دبلے پتلے کا کام ہے اورتم تو عرب کے پہلوان ہو طاقت میں تمہار جواب نہیں تم جیسے پہلوان درخت پر چڑھتے نہیں درخت اکھاڑ کر خرمے کھاتے ہو۔عمر کا طعنہ امیر کو برا لگا اور غصہ میں آ کر دو تین جھٹکے دیے اور درخت کو اکھاڑ ڈالا۔اوراس کے خرمے کھانے شروع کیے امیر کی اتنی طاقت دیکھ کر حیران رہ گیا لیکن امیر کو جلانے کے لیے کہتے ایسے کیڑے کھائے ہوئے درخت کو تو مجھ جیسا آدمی بھی اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے ہم تو جب مانیں جب کوئی دوسرا درخت اکھاڑ کر دکھاؤ۔امیر نے غصہ میں آ کر ایک اور درخت کو اکھاڑ دیا۔

عمرو نے کہا یہ درخت تو بن پانی کے کمزور ہو رہا تھا۔اگر کوئی اور درخت اکھاڑتے تو ہم جانتے۔امیر نے ایک اور درخت اکھاڑا اور جوش میں چوتھے کی طرف بڑھا تو عمر نے ہنس کر کہا اے عرب زادے کچھ دیوانہ ہوا ہوا ہے نہ جانے کس غریب کا باغ اجاڑ ڈالا امیر نے کہا میں نے تیرے کہنے پر یہ درخت اکھاڑے ہیں ۔تیری وجہ سے مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔

عمر مسکرایا اور سیدھا باغ کے مالک کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ ایک ہوا کا بگولا آیا تھا اور جس کی وجہ سے تیرے درخت جڑ سے اکھڑ گئے۔اس نے کہا یہاں تو ہوا کا نام بھی نہیں باغ میں ہوا کہاں سے آئی۔عمرو نے کہا خدا جانے!

مگر تم چلو اور دیکھو کہ میں سچ کہتا ہوں، مالک نے آ کر دیکھا تو واقعی تین درخت گرے پڑے تھے۔اس نے یہ دیکھا تو رونے لگا کہ میری روزی ہی ان درختوں کے طفیل تھی اب تو میں بھوکوں مر جاؤں گا۔امیر کو اس پر رحم آ گیا اور عمر سے کہا کہ ایک درخت کے بدلے اس کو خزانے سے ایک اونٹ دلوا دو۔

عمر گیا اور خزانے سے تین اونٹوں کو لے کر باغبان کو دے دیے۔وہ بہت خوش ہوا اور جیسے ہی چلنے لگا تو عمر نے روک لیا اور کہا ”درخت تیرے آندھی نے اکھاڑے اور تو نے رو کر تین اونٹ مفت میں ہتھا لیے اور اب تینوں اونٹوں کو لے

ایسے منہ پھیر کر جا رہا ہے جیسے ہمیں جانتا ہی نہیں۔ میں چاہوں تو امیر سے کہہ کر تینوں اونٹ واپس خزانے میں جمع کروا سکتا ہوں۔

مالک ڈر گیا اور ایک اونٹ عمرو کے حوالے کر دیا۔ عمرو اونٹ لے کر واپس گھر لوٹا۔ غرض یہ کہ اسی طرح دن گزرتے گئے ایک دن امیر و عمر ایک میلے میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں ایک گھوڑا زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

امیر نے مالک سے پوچھا کہ اس گھوڑے کو کیوں زنجیروں سے باندھا ہوا ہے۔ مالک نے جواب دیا یہ بڑا تیز گھوڑا ہے، جو اس زنجیروں کو کھول کر اس پر سوار ہو کر میری نظروں سے اوجھل ہو جائے گا میں اس بہادر نوجوان کو یہ گھوڑا مفت دے دوں گا۔

امیر کی غیرت کو جوش آ گیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ گھوڑے کی ساری زنجیریں کاٹیں اور اس کے قریب گیا۔ جب گھوڑے نے آدمی کو اپنے پاس دیکھا تو امیر کو کاٹنا چاہا۔ امیر نے اس کا کان پکڑا ایک گھونسا اس کے سر پر مارا کہ سارا بدن کانپ اٹھا اور سر آگے ڈال دیا۔ امیر نے گھوڑے پر زین کسی اور میلے سے باہر نکل، گھوڑے نے جو خود کو کھلا پایا تو بھاگ پڑا۔ امیر نے اس کو روکا مگر وہ نہ رکا۔ تمام دن دوڑتا رہا، اچانک ایک خندق آگے آئی۔ گھوڑے نے جست لگا کر اس کو پار کرنا چاہا امیر نے بڑی مضبوطی سے اسے پکڑا ہوا تھا۔ خندق تو اس نے پار کر لی مگر دو جا گرا اور مر گیا۔

اب ہر طرف لق و دق میدان، نہ کوئی آدم نہ آدم زاد چلتے چلتے امیر کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ آخر امیر تھک کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور خدا سے دعا کی اے رب مجھے اس مصیبت سے نجات دلا کہ تو ہی بے کسوں کا مددگار ہے، اچانک بیاباں کی طرف سے ایک نقاب پوش بزرگ ظاہر ہوئے، امیر نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ انہوں نے اس بیان میں آنے کی وجہ پوچھی تو امیر نے سب قصہ سنایا۔ انہوں نے امیر سے کہا کہ آنکھیں بند کرو، امیر نے آنکھیں بند کر لیں

،انہوں نے اپنا ہاتھ امیر کے ہاتھ پر رکھا اور دعا کی کہ تجھ جیسا بہادر نوجوان کوئی نہ ہوگا۔امیر نے آنکھیں کھولیں تو بزرگ غائب ہو چکے تھے امیر کی حالت بالکل ٹھیک تھی درد ختم ہو چکا تھا اور امیر اپنے شہر میں تھا۔

ادھر عمر کی سنئے، جب امیر گھوڑا لے کر کافی دیر تک نہ لوٹے تو عمر کو فکر ہوئی اور امیر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، دن رات مگر کہیں امیر کا پتہ نہ چلا۔راستہ بھول گیا ۔گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔عمر کے پاؤں میں بھی چھالے پڑ گئے،ناخن اتر گئے بھول پیاس نے ستایا اور پانی کو کہیں نہ پایا تو بے ہوش ہو کر گر گیا۔

خدا کے حکم سے ایک بزرگ آئے،ہوش میں لائے اور دعا دی کہ اب تجھ جیسا آگے کوئی نہ بڑھ سکے اور دوڑ میں تو ہمیشہ اول آئے گا۔

عمر نے اٹھ کر دیکھا تو پہلے سے چار گنا زیادہ طاقت آ گئی تھی خدا کا شکر ادا کیا اور بھاگ کر سیدھا شہر پہنچا۔ادھر مقبل نے دیکھا کہ مایر نہ جانے کدھر گئے اور عمر بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔اب میں اکیلا اس دنیا میں رہ کر کیا کروں گا۔یہ تصور کر کے ایک درخت پر چڑھ کر ایک شاخ پر بیٹھ گیا اور ایک رسی سے اپنے گلے میں پھانسی لگائی اور دوسرا سرا درخت سے باندھ کر چھلانگ لگائی اور لٹکنے لگا،عنقریب تھا کہ جان دے دیتا کہ ایک بزرگ نمودار ہوئے انگلی کا اشارہ کیا تو رسی خود بخود ٹوٹ گئی مقبل کو قریب بلایا اور کہا کہ تیرے دونوں دوست واپس آ گئے جا خوشی منا اور ہماری طرف سے ایک تحفہ بھی لیتا جا،یہ کہہ کر ایک تیر کمان اسے دی اور کہا کہ تیر اندازی میں کوئی تیرا ثانی نہیں ہو گا۔مقبل وہ تیر کمان لے کر شاد ہوا،اور واپس شہر میں آ گیا۔

تینوں دوست ایک دوسرے مل گئے سب نے اپنی اپنی کہانی سنائی،گلے ملے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔اسی طرح کافی دن گذر گئے۔ایک دن امیر و عمر بازار میں پھر رہے تھے،کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ٹولی لوگوں کی بھاگی جا رہی ہے۔امیر نے عمر سے کہا کہ حالات معلوم کرو۔عمر آگے بڑھا اور ایک آدمی سے پوچھا کہ بھائی کدھر

جا رہے ہو۔

اس نے جلدی میں جواب دیا کہ بہت سے سپاہی پیچھے خراج لینے آ رہے ہیں جو انہیں خراج نہیں دیتا اسے مار دیتے ہیں۔امیر کو بہت غصہ آیا اور دونوں دوست بھاگ کر آگے بڑھے اور دیکھا کہ کچھ گھڑ سوار گھروں میں گھس کر لوٹ رہے ہیں ۔امیر نے آگے بڑھ کر انہیں ایسا کرنے سے روکا اور کہا کہ جو کچھ تم نے لوٹا ہے واپس کرو۔وہ یہ سن کر مسکرائے اور کہا

ہم سہیل یعنی ایک سردار بے نظیر کے سپاہی ہیں۔ ہمارا راستہ چھوڑ دو۔اگر ہم تم جیسے لڑکوں کی بات مان لیں تو سپاہی گیری کر چکے۔عمر اتنی دیر میں میں بہت سے لڑکوں کو بلا لایا سب نے مل کر ان سپاہیوں پر حملہ کر دیا اور امیر نے ایک ایک کو مارا کچھ بھاگ گئے اور کچھ کے ناک کان کاٹ دیے اور امیر اور اس کے ساتھی سہیل کی طرف چل پڑے۔

جب سہیل کے علاقے میں داخل ہوئے تو لوگ اپنے سپاہیوں کا حال دیکھ ڈر گئے۔امیر سیدھا سہیل کے محل میں پہنچا۔سہیل نے جب ساری بات سنی تو غصہ میں پاگل ہو گیا اور کہا اور میری سپاہی ان لڑکوں کے ہاتھوں ناک اور کان کٹوا کر بھاگ آئے اور ان کی دلیری دیکھو کہ مجھ تک پہنچ گئے، میں یمن کا بادشاہ اعلان کرتا ہوں کہ ان لڑکوں کو سخت سے سخت سزا اور ہرگز زندہ نہ رکھا جائے۔

امیر نے یہ لفظ سنے تو کہا۔اوبد ذات، جو تجھ سے ہوسکے کر تب تو اس کے جسم میں آگ لگ گئی۔تلوار کھینچ کر امیر پر جھپٹا تو امیر نے قدم آگے بڑھا کہ تلوار کا قبضہ پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے پکڑ کر اٹھا لیا اور زمین پر دے مارا اور سینے پر چڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔سب سپاہی اپنے طاقت ور بادشاہ کا یہ حشر دیکھ کر کانپ اٹھے اور سب نے امیر کے آگے سر تسلیم خم کر لیا اور امیر کو اپنا بادشاہ مانا سو امیر بھی اس کے لیے تیار تھا۔اسی وقت امیر کو شاہی تخت پر بٹھایا گیا اور یمن کی بادشاہت سونپی

گئی ۔اور سارے ملک میں امیر کی بادشاہت کا اعلان کردیا گیا۔

کچھ دن کے بعد امیر کو وطن کی سوجھی اور واپسی کا ارادہ کیا اور اس شان سے کہ اپنے ساتھ ایک ہزار یمنی سپاہیوں کا دستہ لیا اور بہت ساز و سامان بھی ساتھ تھا۔شام کے وقت ایک جگہ یہ لشکر ٹھہرا ۔میر الشکر سے جدا ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے ۔کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک خوبرو نوجوان بیٹھا ہے جس نے شیر کی کھال کا لباس زیب تن کیا ہے اور ایک آہنی زنجیر ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہے اور زنجیر کا دوسرا ایک شیر کے گلے میں پڑا ہے اور شیر بھیگی بلی کی طرح ایک جگہ دبکا ہوا بیٹھا ہے۔

امیر نے یہ دیکھا تو کہا کہ اے نوجوان !تو کون ہے اور یہ سب کیا ہے۔اس نے کواب دیا:۔

میرا نام طوقابن حیران ہے۔میں اس جنگل میں رہتا ہوں اور جو شخص ادھر سے گزرتا ہے میں اس پر یہ شیر چھوڑ دیتا ہوں ۔یہ شہرا سے مار کھاتا ہے اور میں اس کا مال واسباب لے کر شہر میں بیچ دیتا ہوں اور خوب پیشہ کماتا ہوں۔

امیر نے کہا تو کتنا بد بخت ہے کہ خدا کے بندوں کو بے گناہ مارتا ہے۔

اس نے کہا نصیحت چھوڑ اور تو بھی مرنے کے لیے تیار ہو جا، یہ کہہ کر شیر کو امیر پر چھوڑ دیا۔جیسے ہی شیر نے امیر کو کھانے کے لیے منہ کھولا ۔امیر نے ایک ہاتھ اس کے منہ میں ڈال کر دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ چیرنے لگا وہ نوجوان طاقت دیکھ کر حیران رہ گیا امیر نے شیر کا منہ توڑ دیا اور شیر تڑپ کر مر گیا۔

وہ نوجوان خوف سے کانپنے لگا اور امیر کے قدموں میں گر کر معافی مانگی

امیر نے اس نوجوان کو معاف کر دیا اور اسے لے کر واپس اپنی فوج میں آ گئے۔

راستہ میں ایک مقام پر عالی شان قلعہ دیکھا جس کے چاروں طرف سپاہیوں کا پہرہ تھا۔امیر نے وہیں قیام کیا اور عمر سے کہا کہ جاؤں دیکھ آؤں یہ قلعہ کس کا ہے۔

عمر گیا اور واپس آ کر کہا کہ یہ قلعہ پہلوان عادی کا ہے جو عرب میں سب سے

زیادہ طاقت ور مانا جاتا ہے کوئی اس کا ثانی نہیں امیر یہ سن کر مسکرائے اور آگے بڑھنے لگے مگر جب وہ قلعے کے قریب سے گزرنے لگے تو سپاہیوں نے روک لیا اور کہا بغیر عادی کے حکم کے آپ یہاں سے ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے ہیں۔

امیر کو بہت غصہ آیا۔اور کہا اے بدبختو تمہیں علم نہیں کہ تم کس کو روک رہے ہو۔

مگر وہ نہ مانے ،جب امیر نے یہ حالت دیکھی تو فوج کو لڑنے کا حکم دیا اور دونوں فوجوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی ،ابھی لڑائی جاری تھی کہ امیر نے دیکھا ایک قد آور شخص قلعے سے باہر نکلا اور فوج کو رک جانے کا اشارہ کیا۔

سپاہیوں نے فوراً اپنی تلواریں نیاموں میں ڈالیں یہ دیکھا تو امیر نے اپنے سپاہیوں کو رک جانے کا حکم دیا۔

امیر جان چکا تھا کہ یہ عادی ہے عادی آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔

عمر نے عادی کو عجیب طرح کا دیکھا نو گز قد اور سر پر سات پگڑیاں باندھے لوہے میں چھپا ہوا۔صرف آنکھیں نظر آتی تھیں میدان میں اترا۔

عمر اسے دیکھ کر کانپ اٹھا اور کہا یہ بڑا زور آور ہے دیکھ کر جانا اے امیر دیکھ کر جانا۔

امیر آگے بڑھا۔ادھر عادی بھی آگے بڑھا۔دونوں کی تلواریں ٹکرائیں اور چنگاریاں نکلنے لگیں۔عادی نے تلوار کی قوت سے امیر کی طاقت کا اندازہ لگایا ہے اور کہا

اے نوجوان میں نے جان لیا کہ تو ہی زبردست ہے،پر اپنا نام ظاہر کر کہ تیرے جیسے کا میرے ہاتھ سے بے نام ونشان مارا جانا ٹھیک نہیں۔مجھے تو معلوم ہو کہ میں نے کس بہادر کو مارا ہے۔

امیر نے کہا یہ تو بعد میں پتہ چل جائے گا کہ تو میری موت پر جشن مناتا ہے یا میں تیری موت پر چراغاں کرتا رہوں۔

خیر پھر دونوں میں لڑائی شروع ہوئی، کافی دیر تک دونوں ایک دوسرے پر حملہ کرتے رہے مگر دونوں ایک دوسرے کے وار کو بڑی پھرتی سے بے کار کرتے رہے۔

آخر تھک کر عادی نے کہا!

اے نوجوان! تلوار بازی میں تو ہم دونوں برابر ہیں، آؤں ہاتھوں کی قوت کا اندازہ کرلیں۔

امیر نے قبول کیا اور دونوں زمین پر بیٹھ گئے۔تب عادی نے امیر کی کمر پکڑ کر امیر کو اٹھانا چاہا، بڑا زور لگایا اور پسینہ پسینہ ہوگیا مگر امیر خود کو بڑا مضبوط کر کے بیٹھا تھا۔جب عادی زور لگا لگا کر تھک گیا تو اس نے کہا ہم زور کر چکے اب دیکھتے ہیں کہ تم کس طرح اٹھاتے ہو۔

امیر نے عادی کو کمر سے پکڑ کر ''اللہ اکبر'' کہہ کر پہلے ہی زور میں عادی کو ہتھیاروں سمیت سر سے بلند کیا اور جیسے ہی زمین پر مارنے لگا۔عادی نے امان مانگ لی۔

امیر نے آرام سے عادی کو زمین پر پھینکا ،تب عادی قدم بوس ہوااور کہا میں تمہیں مانتا ہوں، آج سے تم میرے استاد اور میں تمہارا شاگرد،

امیر عادی کے گلے لگ گیا اور دونوں پکے دوست بن گئے ۔امیر عادی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور واپس اپنے شہر آ گئے۔

اب امیر کی سارے شہر میں حکومت تھی اور امیر اب بادشاہ یمن تھا اور وزراء میں عمرو، عقبل اور عادی تھے اوراس طرح سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

امیر اور عمرو عیار

عزیز بچوں ! ادھر تو امیر ایمن کے بادشاہ بنے اور ادھر حسام بن علمقد شام کا بادشاہ بنا۔یعنی اب تو وہ وقت قریب آرہا تھا جب خوب کے سچے ہونے کے دن تھے اور اب بزرجمر کی تعبیر خواب کی صداقت کی آزمائش کا وقت تھا اور اسے دنیا فتح کرنے کا جنون تھا وہ اپنے **ملک** سے نکلا اور مدائن کی طرف روانہ ہوا۔راستے میں جوشہر یا گاؤں آتا اس کولوٹ کرتباہ وبرباد کردیتا۔جب نوشیرواں کوخبر ہوئی تو بزرجمر کوبلایا اور مشورہ طلب کیا کہ اب کیا کیا جائے؟

بزرجمر نے کہا یہ چالیس دن آپ پر بہت منوس ہیں، یہی وہ دن ہیں جب حسام بن عقل مند آپ کے **ملک** پر قابض ہوجائے گا، اس لیے اس کا بہتر حل یہ ہے کہ آپ شکار کے بہانے **ملک** سے چلے جائیں اس طرح آپ کی عزت رہ جائے گی ورنہ بڑی جگ ہنسائی ہوں گی کہ نوشیرواں ایک ادنیٰ بادشاہ سے ہار گیا۔

نوشیرواں بزرجمر کے اس مشورے سے خوش ہوا اور عشرفیل نامی پہلوان کو پچاس ہزارسواروں کے ساتھ قلعہ میں چھوڑ کا خود جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ادھر دس بارہ دن حسام چالیس ہزارسواروں سمیت مدائن میں داخل ہوا اور ڈنکا جنگ بجوایا۔لڑائی شروع ہوئی تو عشرفیل نے چلا کر کہا ارے کم بخت! یہ کیا فکر تیرے دل میں سمائی ہے کہ بادشاہ ہفت کشور کی دشمنی تو تو نے مول لے لی ۔حشام نے کہا میں تیرے بادشاہ کوخوب جانتا ہوں اگر وہ شکار پر نہ جاتا تو اس کی موت بھی میرے ہاتھ سے ہوتی۔عشر کواس بات پر غصہ آیا اور ایک نیزہ حسام کو مارا مگر حسام نے وہی نیزہ پکڑ کر واپس تاک کر ایسا عشر کو مارا کہ سیدھا سینے میں گڑ گیا اور عشر موقع پر ہی مر گیا۔پھر عام جنگ شروع ہوگئی۔غرض یہ کہ حشام کو فتح نصیب ہوئی۔**ملک** میں خوب لوٹ مچائی اور وہاں اپنا ایک نائب مقرر کرکے خود آگے بڑھ گیا اب وہ یمن کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ادھر جب یمن والوں کو پتہ چلا کہ حسام **ملک** یمن کوبھی تباہ وبرباد

کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس خوف سے سارے لوگ کانپ اٹھے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور جناب باری میں دعا کی کہ اے رب العزت اس ناپاک کی ظلم سے بچا ادھر امیر جو شہر میں نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ساری خلقت مجسمہ غم بنی ہوئی ہے پوچھا کیا ہوا تو سب نے مل کر کہا ملک شام کے بادشاہ حسام نے آپ کی دشمنی پر پوری کمر باندھی ہے۔ نوشیرواں جیسا عظیم بادشاہ اس کی برابری نہیں کر سکا اور وہ مدائن کو تباہ و برباد کر کے شاہ ہفت کشور کی سلطنت کا اثاثہ لیے سنا ہے اب ایمن کو تباہ و برباد کرنے آ رہا ہے نہ جانے اب ہمارا کیا حال ہوگا۔

امیر نے جب یہ قصہ سنا تو غصہ میں لال پیلا ہو گیا اور چلا کر کہا کہ تم مجھے اس سے کم تر سمجھتے ہو جو اس طرح ڈرتے ہو۔ اس شیطان صفت کو آنے دو پھر دیکھو میں اس کا کیا حشر کرتا اسے مارتا ہوں یا خود مرتا ہوں اسی وقت فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا اور حسام کا انتظار کرنے لگا۔ پتہ چلا کہ حسام کا انتظار کرنے لگا پتہ چلا کہ حسام کی فوج دس کوس دور ایک میدان میں پڑی ہے اور کل صبح حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ امیر نے کہا یہ تو بہت اچھا وقت اور اس سے پہلے کہ وہ ہم پر حملہ کریں ہم ان پر حملہ کر دیتے ہیں یہ کہہ کر امیر نے اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے حسام کی فوج پر بلائے ناگہانی کی طرح جا پڑے حسامی فوج گھبرائے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ صبح ہوتے ہوتے تک امیر کی فوج نے حسام کی فوج کے دس ہزار سپاہیوں کو مار دیا۔ جب فوج گھبرا کر بھاگنے لگی تو حسام کو بھی ہوش آئی۔ مسلح ہو کر گینڈے پر سوار ہوا اور اس شان و شوکت سے میدان سے نکلا کہ سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ میدان جنگ میں آ کر زور سے چلایا کہ موت کی آرزو جس کو ہے میرے سامنے آئے، یہ سنا تو امیر میدان میں اتر آئے اور چلا کر کہا اے شیطان صفت انسان یہ جھوٹ بازی چھوڑ اور اگر کچھ قوت بازو رکھتا ہے تو میدان میں آ کر زور آزمائی دیکھا تا کہ تیری شجاعت کا پتہ چلے۔

یہ بات سنی تو حسام کو غصہ آیا اور پوری قوت سے نیزہ امیر پر چلایا امیر نے اس نیزے کو کمال فن سے اپنے نیزے کی نوک پر روکا اور اس کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ ادھر سے امیر نے بھی نیزہ چلایا۔ غرض کہ دونوں میں خوب نیزہ بازی ہوئی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حسام کو غصہ آیا اور کہا کہ ہم ایسے ہو گئے کہ عرب زادہ ہم سے بڑھتا جا رہا ہے یہ کہہ کر تیز پھینکا اور تلوار اٹھا کر امیر کے قریب آیا اور تلوار کا زبردست وار کیا۔ امیر نے تلوار پھینک کر وار کو ڈھال پر روکا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار کا بھرپور وار حسام پر کیا۔ حسام نے بھی وار کو ڈھال پر روکا مگر امیر نے اس قوت سے وار کیا تھا کہ حسام کی ڈھال کٹی اور تلوار سیدھی اس کے سر پر جا لگی سر کے دو ٹکڑے ہوئے اور تلوار سینے تک پہنچ گئی اور زرہ بکتر کو کاٹتی ہوئی اس شیطان کے دو ٹکڑے کر کے نیچے آئی۔ اس وقت امیر کے ہاتھ کی صفائی دیکھ دوست دشمن کی زبان سے ''سبحان اللہ'' کی صدا بلند ہوئی۔

ادھر ایک تو حسام کی فوج پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی اب جو انہوں نے اپنے بادشاہ کو اس طرح قتل ہوتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے۔ امیر نے موقع غنیمت جان کر بھرپور حملہ کر دیا۔ غرض یہ کہ تھوڑے ہی وقت میدان حسام کی فوج کی لاشوں اٹ گیا اور باقی فوج دم دبا کر بھاگ گئی اور بے شمار گرفتار ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے امیر کو فتح نصیب کی اور جو مدائن کا خزانہ تھا وہ لیا اور نوشیرواں کے گرفتار فوجیوں کو آزادی دی اور بادشاہ ہفت اقلیم نوشیرواں کی خدمت میں ایک درخواست اس طرح لکھی کے شہریار کے اقبال سے خانہ زادہ نے حسام کو مارا ہے اور اس کا سر اور مال و اسباب آپ کے قیدیوں سمیت حضور کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ کا تخت و تاج میرے پاس ہے اگر حکم ہو تو میں خود لے کر آپ کی خدمت میں آنے کا مشتاق ہوں ورنہ جیسے ہی آپ کا حکم ہو ویسا ہی کیا جائے گا۔ نوشیرواں کے قیدی فوجی واپس یہ پیغام امیر لے کر چلے۔

ادھر کی سنئے کہ ادھر جب چالیس دن گزر گئے تو نوشیرواں شکار سے واپس چلا اور شہر سے باہر قیام کیا اور بزرجمر سے کہا، اے بزرجمر میں خواب دیکھا تھا وہ سب علامتیں ظاہر ہوئی مگر جو تعبیر تھی وہ اب تک ظہور میں نہیں آئی

بزرجمر نے کہا انشاءاللہ جلد ہی خوشخبری آپہنچے گی۔ لیکن بادشاہ پریشان تھا اور ادھر لوگ شہر سے باہر آکر بادشاہ سے ملنے لگے اور کہنے لگے کہ آپ نے بزرجمر کی باتوں میں آکر اپنی سلطنت گنوائی ہے نہ آپ بزرجمر کی باتوں میں آکر شکار پر جاتے اور نہ ہی یہ حشر ہوتا آپ ہوتے تو ہم ضرور فتح یاب ہوتے اور ملک کا یہ حال نہ ہوتا غرض یہ کہ لوگ بزرجمر کو واجب القتل گردانتے تھے اور بادشاہ بھی کسی حد تک اپنے کیے پر نادم تھا اور فیصلہ بزرجمر کے خلاف دینے ہی والا تھا کہ دور سے خاک اڑتی ہوئی نظر آئی اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور سب سے آگے ایک سفید پوش سوار تھا اس نے قریب آکر بادشاہ کو یہ خوشخبری سنائی کہ امیر نے حسام بن عقلمند کو مارا اور اس کی فوج کو شکست دی اور جن کو حسام گرفتار کر کے لے گیا تھا واپس بھیجے ہیں اور آپ کو یہ خط دیا ہے بادشاہ نے فوراً خط پڑھا اور سجدہ شکر بجالایا اور امیر کو لاکھ لاکھ دعائیں دیں اور فوراً بختک کو جو بادشاہ کو وزیر تھا بلایا اور ایک نامہ یوں لکھوایا کہ جو کچھ تم نے کیا ہے ہمیں نہایت پسند آیا نمک خواران اور جانثاروں کا یہی فرض ہے تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے تاج و تخت جو تمہارے پاس ہے لے آؤ کیونکہ تمہاری ملاقات کا اشتیاق بہت ہے اس لیے جلدی چلے آؤ۔

بادشاہ نے یہ خط لکھوا کر نیچے مہر لگوائی اور بختک کو دیا اور بہت سے تحفے تحائف بھی بختک کے حوالے کیے کہ یہ تحفے تحائف ہماری طرف سے امیر کو پیش کرنا۔

اب سنئے کہ بختک امیر کی اس شان وشوکت سے بڑا جلتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح بادشاہ کی نظر میں امیر کی عزت گر جائے سو اس نے گھر جا کر بادشاہ کا فرمان چھپا دیا اور اور ایک کاغذ پر بادشاہ کی طرف سے لکھا کہ میرا ارادہ تھا کہ تمہاری ساری

قوم کو تمہارے ساتھ ہی قتل کروں۔ اب تم نے ایسا کام کیا ہے جس کی خاطر تمہارا قتل کرنے کا ارادہ شک کرتا ہوں اب میرا تاج وتخت کسی کے ہاتھ واپس بھیج دے۔

یہ تحریر لکھ کر بادشاہ بادشاہ کی جعلی مہر لگائی اور امیر کی طرف روانہ ہو گیا امیر کو نوشیرواں کے قزیر کے آنے کی اطلاع ہوئی تو خود شہر سے باہر استقبال کے لیے پہنچ گیا۔ بختک نے وہ جعلی خط امیر کو دیا۔ امیر نے خط کو پڑھا تو بہت غصہ آیا مگر غصہ کو پی گیا اور سوچا کہ شاید بادشاہ کو کسی نے غلط خبر دی ہے مگر عمر کو نوشیرواں کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا جب شام کو دستر خوان بچھے اور بختک اور اس کے ساتھی کھانا کھانے بیٹھے تو عمرو خوان لے آیا اور سامنے رکھ دیے جب بختک نے ان خوانوں سے کپڑا اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک میں ہری ہری گھاس ہے اور دوسرے میں مردے کی ہڈیاں۔ بختک اور اس کے ساتھی عمرو کی اس حرکت پر تلملا اٹھے مگر خاموش رہے جب دوسرا دن آیا تو بختک اور اس کے ساتھیوں نے جانے کی اجازت مانگی تو عمر نے کہا ہمارے بادشاہ نے کچھ تحفے دیے ہیں وہ بھی لیتے جائیں یہ کہہ ایک گدھے اور ایک کتے کی کھال اٹھا لایا اور بختک کو پیش کیں، بختک نے یہ دیکھا تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور خنجر نکال کر وار کیا تو عمرو نے کہا جو خلعت تمہارے لائق تھی وہ تمہیں دے دی اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو میں حاضر ہوں یہ کہہ کر عمر نے بختک پر حملہ کر دیا اور مار مار کر کچومر نکال دیا اور بختک اور اس کے ساتھی سر پر پیر رکھ کر واپس بھاگے ادھر امیر نے فوراً ایک نامہ نوشیرواں کے نام لکھا کہ اے بادشاہ ہم نے آپ کی خاطر اتنی قربانی دی، تعجب ہے آپ نے حوصلہ افزائی کے بدلے یہ بدلہ دیا۔ کیا یہی ہے آپ کا عدل وانصاف ہے اور اس کے ساتھ بادشاہ کا بھیجا ہوا خط جو درحقیقت بختک نے خود لکھا تھا رکھ کر اور ایک عمدہ خلعت دے کر ایک باعتماد سردار کو بادشاہ کی طرف روانہ کیا۔

اب ادھر کی سنیئے کہ بختک اور اس کے ساتھی بدحالی کی حالت میں بادشاہ کے حضور حاضر ہوئے اور جو واردات ان پر گزری تھی تمام سنائی، بادشاہ نے جب یہ سنا

تو بہت غصہ آیا فوراً بزرجمر کو طلب فرمایا اور اس نے کہا لگتا ہے امیر باغیانہ خیال رکھتے ہیں اور مجھ کو نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔

بزرجمر نے جواب دیا۔ بادشاہ آپ کا کہنا بجا ،مگر امیر بادشاہ کے وزیر سے یہ سلوک کرے یقین نہیں آتا وہ بہت نیک ہے کیا حیثیت رکھتا ہے کہ آپ کے حضور بے ادبی کرے۔

یہ باتیں ابھی ہو رہی تھیں کہ امیر کا بھیجا ہوا سردار ار بادشاہ میں داخل ہوا اور آداب شاہی بجالایا اور خلعت اور جعلی نامہ بادشاہ کے روبرو پیش کیا۔ بادشاہ اصل سبب جان کر بہت برہم ہوا فوراً بختک کو بلایا اور بہت برا بھلا کہا۔ تین ماہ تک دربار میں آنے کی پابندی لگا دی اور چھ ہزار درہم جرمانہ کیا اور عہدے سے علیحدہ کیا مگر بزرجمر نے سفارش کی تو بادشاہ نے قصور معاف کیا اور امیر کے نام ایک معذرت نامہ تحریر کیا اور ایک با اعتبار شخص کو دیا اور ساتھ ساتھ ایک خلعت نایاب امیر کے واسطے اور ایک خلعت عمر کے لیے بھیجا ،وہ شخص خلعت لے کر چلا گیا جب شہر پہنچا تو اس کی ملاقات عمر سے ہو گئی اس شخص نے عمر کو سلام کیا اور کہا کے بادشاہ نے آپ کے واسطے یہ خلعت بھیجا ہے۔ عمر خلعت پا کر بہت خوش ہوا اور دوڑتا دوڑتا امیر کے پاس گیا اور اس طرح گویا ہوا کہ نوشیرواں نے مجھے بڑا آدمی جانا اور میرے لیے خلعت بھیجا ہے اور مجھے دربار میں بلایا ہے اور اپنا مشیر خاص بنایا ہے ۵۰۰۰ درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کیا ہے۔

امیر نے جو یہ سنا تو رو دیا اور کہا اے عمر میں تجھے اپنا بھائی جانتا ہوں۔ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز مانتا ہوں تم مجھ سے جدا ہونے کی سوچتے ہو چند سکوں کی خاطر مجھے ٹھکراتے ہو اگر یہی بات ہے تو میں نے ۱۰۰۰۰ درہم تمہارے واسطے مقرر کیے ہیں۔

عمر نے جو امیر کی یہ محبت دیکھی تو کہا۔ امیر میں تمہاری قسم کھاتا ہوں کہ میں نے

تق مذاق کیا تھا اور اگر بادشاہ مجھے ۵۰۰۰ ہزار درہم ہی دے تب بھی آپ کی بندگی سے منہ نہ پھیروں گا اور آپ کے پاس سے ہرگز نہ جاؤں گا اور سارا قصہ اصل کہہ سنایا۔امیر بہت خوش ہوا اتنے میں وہ آدمی بھی آیا اور امیر کو خلعت دیا۔امیر بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں خود جا کر نوشیرواں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

غرض یہ کہ امیر بمعہ دس ہزار سپاہیوں کے نوشیرواں کی طرف چلے، جب ایک جنگل کے قریب پہنچے تو ایک آدمی ادھر جا رہا تھا،اس نے امیر کو راستے سے مدائن جانے سے منع کیا اور کہا کہ راستے میں بہت سے درندے رہتے ہیں اور ایک شیر تو بہت خونخوار ہے۔امیر مسکرایا اور کہا بہت خوب، بڑے عرصے سے زور آزمائی نہیں کی،اب تو ہم اسی راستے سے جائیں گے اور پروردگار کی مدد اس جنگل کو موذی درندوں سے خلق کو نجات دلائیں گے غرض یہ کہ سب جنگل میں داخل ہوئے اتنہ سپاہ کو دیکھ کر جانور ڈر ڈر کے بھاگتے رہے۔راستے میں بہت سے جانور سپاہ نے مارے مگر عمرو ڈر ڈر کے قدم اٹھاتا تھا۔امیر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا جاتا تھا۔عمر نے تمام عمر کبھی شیر نہیں دیکھا تھا اچانک جو اس نے ادھر ادھر نظر گھمائی تو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر شیر کو کھڑے پایا، جونہی نظر شیر پر پڑی تو چیخ مار کر ایک درخت پر چڑھ گیا اور کہا امیر آپ بھی اس درخت پر آجائیں ورنہ شیر مار کھائے گا۔امیر یہ سن کو ہنسنے لگے اور کہنے لگے

او عیار دیوانہ ہوا ہے کہ میں شیر کو مارنے کو آیا ہوں یا شیر سے ڈر کے بھاگ جانے کو آیا ہوں۔ یہ کہہ کر امیر گھوڑے سے اتر کر خود ہی شیر کی طرف بڑھے۔امیر قریب گئے دیکھا کہ شیر کم کوئی آسمانی بلا ہے اتنا بڑا شیر کبھی امیر نے نہیں دیکھا تھا ۔اسے دیکھ کر امیر نے خدا کو یاد کیا اور شیر نے آدمی کو دیکھ کر جست لگائی کہ امیر کا سر دانتوں میں دبائے مگر امیر دیکھ کر جھٹ بیٹھ گئے اور شیر کا وار خالی گیا مگر وہ جیسے ہی سر سے گزرا امیر نے پھرتی سے اس کی پچھلی ٹانگوں کو پکڑا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر شیر کو

اٹھایا اور سر کے گرد تین بار گھما کر زمین پر دے مارا اور اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں ، کچھ دیر تڑپا اور مر گیا۔

عمر نے جو یہ دیکھا تو فوراً درخت سے اتر آیا۔ امیر کا شاباش دی اور درخت کی لکڑیاں کاٹ کر ایک گاڑی بنانی شروع کی اور شیر کو اس میں ڈال کو چلنے لگا۔ امیر نے مرے شیر کو اٹھا لے جانے کی وجہ پوچھی تو بولا بس دیکھتے جائیں کہ میں کیا کرتا ہوں ۔

شہر کے باہر قلعہ کے سامنے ایک بلندی تھی

عمرو نے شیر نے اس جگہ اس طرح بٹھایا کہ زندہ دکھائی دے یہ کام کر کے واپس لوٹ آیا۔ اب صبح شہر کی دروازہ کھلا اور جو اہل مشقت تھے باہر نکلے کوئی لکڑیاں کاٹنے اور کوئی گھاس کی تلاش میں آگے بڑھا۔ ان میں سے ایک کی نگاہ شیر پر پڑی تو بے اختیار چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا اور باقی شہر کی طرف دوڑے اور شہر کا دروازہ بند کر دیا۔ غرض یہ کہ خبر بادشاہ تک پہنچی تو بادشاہ بھی قلعہ کے اوپر گئے اور دیکھا کہ واقعی بہت بڑا شیر پہاڑی پر بیٹھا ہے کسی کو آگے بڑھنے کی جرات نہ تھی اتنے میں **مقبل** آگے بڑھا وہ بھی اس بات سے ناواقف تھا کہ عمرو نے کیا حرکت کی ہے۔ سو بہادری دکھا رہا تھا اور آگے بڑھتا جاتا تھا۔ قریب جا کر خیال کیا کہ شیر ذرا بھی حرکت نہیں کرتا اور پاس ہوا۔ جب بہت قریب ہوا اور غور سے دکھا تو شیر کو مردہ پایا۔ فوراً واپس ہوا اور جا کر سب حال بادشاہ کو سنایا، بادشاہ بہت خوش ہوا اور شیر کو خود جا کر دیکھا اور واپس آ کر **مقبل** کو خلعت اور انعامات سے نوازا۔ اتنی دیر میں امیر بھی آ گئے۔ بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب بٹھایا اور امیر نے حال واحوال کے بعد سارا قصہ سنایا۔

دوسرے دن **مقبل** بادشاہ کا دیا ہوا شاہانہ لباس زیب تن کیے شہر سے باہر نکلا اور ادھر عمر بھی سیر کر رہا تھا۔ عمر کی نظر جو سامنے پڑی تو **مقبل** بڑی شان وسوکت سے بڑھتا

ہوا نظر آیا۔ عمر دیکھ کر کھڑا ہو گیا کہ مجھے دیکھ کر گھوڑے سے اتر کر بغل گیر ہو گا لیکن مقبل کی نگاہ جو عمر پر پڑی تو دیکھ کر ہنسا اور کہا تو یہاں کہ آوارہ پھرتا ہے۔

عمر نے جو یہ الفاظ سنے تو غصہ میں تا گیا اور کہا تجھ کو بادشاہ کے پاس اندر بھیجا تھا تو باہر کیسے نکل آیا۔ یہ سنا تو مقبل نے دو چار اور سنائیں۔ عمر بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور رمان مقبل کے سر پر کھینچ کر ماری اور اس بے چارے کا خون جاری ہوا۔ مقبل روتا ہوا امیر کی خدمت میں حاضر ہوا، امیر نے اس کا یہ حال دیکھا اور چلا اٹھا تیرا یہ حال کس نے کیا۔ مقبل نے سب کہہ سنایا، امیر نے مقبل کو تسلی دی اور عمر کو طلب فرمایا۔ عمر حاضر ہوا تو امیر نے کہا تو نے مقبل کا سر کیوں پھاڑا'' تب عمر نے جواب دیا کہ امیر بادشاہ ہیں انصاف کریں کہ دنیا میں آدمی ہر بات کی توقع رکھتا ہے کہ ایک مدت کے بعد دوست ملیں تو خوشی سے بغل گیر ہو جائیں نا کہ مغروریت کا اظہار کریں۔ مقبل کو دیکھ کر میں اس سے بغل گیر ہونے کے لیے کھڑا ہوا اور یہ غرور میں پاگل بنا میرے قریب آیا نہ سلام کیا نہ حال پوچھا ذرا سے شاہی خلعت پہ پھول گیا، مجھ جیسے دوست کو بھول گیا اب بتائے قصور کس کا ہے جرم کس نے کیا ہے۔ امیر نے کہا عمر درست کہتا ہے غلطی کی ابتدا مقبل نے کہا سر عمر نے صحیح سزا دی بے وفاؤں کا یہی صلہ ہے۔ لیکن اب زیادہ غصہ دوستوں میں ٹھیک نہیں۔ آپس میں صلح کر لو مقبل راضی ہو گیا مگر عمر صلح کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ امیر نے وجہ پوچھی تو کہا کہ مقبل صاحب ذر اور میں بے سروسامان وہ عاقل باعتبار میں بے اعتبار و عیار۔ بھلا مجھ میں اور اس میں کیا نسبت۔ امیر مسکرائے اور مقبل سمجھ گیا کہ عمر کی نگاہ اس مال کے صندوق پر ہے جو بادشاہ نے انعام میں عنایت کیا سو آدھا مال مقبل نے عمر کو عنایت کیا جونہی عمر نے مال دیکھا مقبل کو گلے لگا لیا اور صلح کر لی۔

دوسرے دن دربار میں امیر و عمر مقبل سمیت سب حاضر تھے بادشاہ نے سارے معززین سے ہاتھ ملایا، عمرو نے ہاتھ بڑھایا اور بادشاہ کے ہاتھ کو چوما اور ہاتھ

چومتے وقت شاہ کے انگوٹھی چالاکی سے اتار لی اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور پھر چلتا ہوا بختک کے قریب پہنچا اور بڑی چابک دستی سے وہ انگوٹھی بختک کی جیب میں ڈال دی اور واپس اپنی جگہ پر آ گیا۔دربار لگا ہوا تھا کہ اچانک ایک فاختہ دیوار شاہی پر آ کر بیٹھ گئی۔لوگوں نے دیکھا کہ ایک سانپ اس کے گرد لپٹا ہوا ہے۔بادشاہ نے جو یہ دیکھا تو کہا کہ میرا نام نوشیرواں عادل سن کر سانپ سے تنگ ہوکر فریاد کرنے آئی ہوں۔اب کوئی ایسی ترکیب چاہیے کہ فاختہ کو اس موذی سے چھٹکارا ملے،لیکن یہ کام بہت مشکل تھا کیونکہ اگر سانپ کو مارا جاتا تو فاختہ کو بھی چوٹ ضرور آتی اور سانپ نے اپنا منہ فاختہ کے پروں میں چھپایا ہوا تھا۔غرض اسی طرح کئی منٹ گزر گئے تو بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا اور فرمایا کہ ہماری عدالت کس کام کی جب ایک جانور تک کی جان نہ بچا سکے۔تب امیر آگے بڑھے اور عرض کی کہ اگر غلام کو ارشاد ہو تو بندہ کوئی ترکیب کرے۔

بادشاہ نے نہایت خوشی سے کہا جاؤ۔لیکن شرط یہ ہے کسی بھی طرح فاختہ ذرا چوٹ نہ آئے اور سانپ مر جائے اور فاختہ صاف بچ جائے۔

امیر اجازت لینے کے بعد صحن میں آئے اور ایک نیزہ منگوایا اور اس کے سر پر ایک آئینہ باندھا اور آئینہ فاختہ کے مقابل کیا۔سانپ کو جونہی اپنی صورت نظر آئی تو کیا دیکھا کہ سامنے بھی ایک سانپ نے فاختہ کو پکڑا ہوا ہے۔سو سر ذرا اونچا کر کے غور سے دیکھنا چاہا تو امیر نے موقع غنیمت جانا۔تیر کو کمان پر چڑھا کر سر کا نشانہ لے کر مارا،تیر سیدھا سانپ کے سر میں جا کر لگا اور تڑپ کر سانپ وہیں پر گرا اور فاختہ اڑ کر ایک طرف کی راہ لی۔دربار مے ہر ادنیٰ و اعلٰے کے منہ سے آفرین نکلا۔نوشیرواں نے امیر کو بلا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور خلعت عطا کی۔

بادشاہ نے اعلان کیا کہ موقع خوشی کا ہے سنگیت ہونا چاہیے،سو عمر نے دوتارلے کر بجانا شروع کر دیے اور کئی ایسے شعر گائے کہ ہر طرف واہ واہ کی صدائیں گونجنے

لگیں ۔بادشاہ بہت خوش ہوا،عمر کو قریب بلایا اور اپنی انگوٹھی اتار کر جیسے ہی عمر کو دینے لگا تو انگوٹھی کو انگلی سے غائب پایا۔ادھر اُدھر تلاش کیا مگر انگوٹھی کا کہیں پتہ نہ چلا،عمر نے کہا چونکہ ابھی کوئی دربار سے باہر نہیں گیا اس لیے مناسب ہے کہ سب کی تلاشی لی جائے ۔بادشاہ نے اس بات کا پسند فرمایا۔جب تلاشی شروع ہوئی تو عمر نے زور سے پکارا اے عزیز بھائیو! اب بھی وقت ہے بتادو جس کے پاس انگوٹھی ہو مجھے دے دو میں بادشاہ سے کہہ کر گناہ معاف کرادوں گا مگر سب خاموش رہے۔بزرجمر نے تلاشی لینا شروع کی ۔جب تلاشی لیتا لیتا بختک کے پاس پہنچے اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو انگوٹھی باہر آ گئی ،شاہ بہت ناراض ہوا اور فرمایا لگتا ہے وزیر کی نیت چوری کی تھی تبھی گری انگوٹھی چھپالی اور جیسے ہی بختک کے لیے کوئی حکم صادر کرنے لگا تو امیر جو سب حالات جانتا تھا آگے بڑھا اور بختک کا قصور معاف کروایا۔

غرض دربار دوبارہ منعقد ہوا اور امیر بادشاہ کے قریب بچھی ہوئی ایک عالی شان کرسی پر بیٹھ گیا اور دیکھا کہ سب لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے ہیں اور کوئی منہ سے کچھ نہیں بولتا تھا۔تھوڑی دیر بعد ایک پہلوان دروازے سے اندر داخل ہوا۔قد کوئی دس فٹ تھا اور سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا اور ہاتھ میں اس نے تلوار پکڑ رکھی تھی ۔امیر نے اسے دیکھا تو اس کی نوجوانی پر خوش ہوا مگر اس نے امیر کو دیکھا تو غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بادشاہ سے یوں گویا ہوا۔کہ اے نوشیرواں کیا آپ نے میرے باپ گستہم کو اس لیے جنگ پر بھیجا تھا کہ کسی غیر کو اس کی کرسی پر بٹھا دیا جائے وہ ادھر آپ کی خاطر جنگ لڑ رہا ہے اور علاقے فتح کرتا ہے اور ادھر بجائے اس کی تعظیم کے یہ ظلم اس کی کرسی پر کسی غیر کو بٹھایا جائے ۔میں ہرگز یہ برداشت نہیں کروں گا،ابھی اس شخص کو مزہ چکھاؤں گا۔یہ کہہ کر وہ تلوار لے کر امیر کی طرف بڑھا،امیر نے جو یہ دیکھا تو تلوار نکال لی ،دونوں کا مقابلہ ہوا اور امیر نے ایک وار اس کی تلوار پر ایسا کیا کہ اس تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ۔امیر نے آگے بڑھے

اور اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور کہا اگر مجھے تیری جوانی کا خیال نہ ہوتا تو ابھی تیرا کام تمام کر دیتا۔ جا اپنی جان بچا اور یہاں سے بھاگ جا۔ اس نے جو یہ زور و دبدبہ دیکھا تو دربار سے نکل جانے میں ہی اپنی خیریت جانی۔ مگر دربار کے سارے لوگ جو گستم کو اپنا سردار مانتے تھے امیر سے دل ہی دل میں نفرت کرنے لگے ان میں بختک بھی تھا وہ سب لوگ اس دن کا انتظار کرنے لگے جب گستم آئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گستم ایک ہی وار میں امیر کا کام تمام کر دے گا۔ اور ساسانیوں کی عزت کی پھر سے بحال کرے گا۔

ادھر بادشاہ نے جو یہ دیکھا تو امیر کو قریب بلایا اور کہا کہ گستم میرا سب سے عزیز سپہ سالار ہے اور وہ چین کو فتح کرنے گیا اور وہاں کے بادشاہ بہرام خاں کو شکست دینے سو وہ جلد ہی واپس آ جائے گا۔ یہ کرسی اس کی ہے۔ اب اگر تم اس مقابلہ کرو اور فتح حاصل کرو تو یہ کرسی تمہاری ہو گی۔

امیر نے یہ بات سنی تو کہا کہ میرا بھی یہی مقصد تھا کہ گستم مجھ سے زور آزمائی کا امتحان کرے۔ سو اس گفتگو کے بعد امیر بادشاہ سے اجازت لے کر دربار سے باہر آ گئے۔

اسی طرح کئی دن گزرے۔ تب خبر آئی کہ گستم فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹ رہے ہیں اور اپنے ساتھ چین کے بادشاہ کو بھی گرفتار کر کے لا رہے ہیں۔ بادشاہ نے جب یہ خبر سنی تو پھولا نہ سمایا اور حکم دیا کہ گستم کا والہانہ استقبال کیا جائے۔ ہم خود گستم کے استقبال کے لیے شہر سے باہر جائیں گے۔ تمام ملک میں چراغاں کیا جائے اور راستوں پر پھول بچھائیں جائیں۔ غرض یہ کہ ہمارے فاتح گستم کا زبردست طریقے سے استقبال کیا جائے۔ یقیناً ساسانیوں نے جو ہم پر احسان کیا ہے ہم اسے کبھی بھلا نہیں پائیں گے۔

جب بادشاہ اعلان کر چکا تو اس نے ایک سردار کو بلایا اور کہا کہ امیر کو جا کر خبر سناؤ

کہ گستم واپس آ رہے ہیں اور ہم گستم کے استقبال کے لیے شہر کے باہر تشریف لا رہے ہیں تم بھی جلدی تیاری کرو اور ہمارے ساتھ چلو۔

یہ پیغام دے کر بادشاہ روانہ ہوئے اور شہر کے باہر نکل کر گستم کا استقبال کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک طرف سے گرد اڑتی ہوئی نظر آئی اور تھوڑی دیر بعد ہی گستم کی سواری نظر آئی بہرام مونچھوں کو بل دیتا ہوا گھوڑے سے نیچے اترا اور بادشاہ کی قدم بوسی کو آگے بڑھا۔ بادشاہ نے شاباش کی اور بیش قیمت خلعت عنایت کی اور انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد گستم تمام معزز ساسانیوں سے ملا۔ ان میں بختک بھی شامل تھا۔ بختک نے گستم سے باتیں شروع کیں کہ دونوں پرانے دوست اور ساسانی تھے۔ اور باتوں ہی باتوں میں امیر کے متعلق بتانا شروع کیا اور کہا کہ امیر کی بے ادبیاں کہاں تک بیان کروں کہ حد تو یہ ہے کہ تمہاری کرسی پر بیٹھا ہے اور تمہاری برابری کے دعوی کرتا ہے اور اپنے آپ کو سرداران گردجہان شمار کرتا۔ یہی نہیں بلکہ تمہارے بیٹے کو بھی سزا دے چکا ہے اور اسے ہرا کر تمام قوم کو بھرے دربار میں شرمندہ کیا ہے۔

گستم نے جو یہ باتیں سنیں تو غصہ سے پاگل ہو گیا اور کہنے لگا کہ تھوڑا صبر کرو اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ کس کی مجال ہے کہ میری کرسی پر بیٹھے اور میری برابری کرے۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک طرف سے گرد اڑتی ہوئی دکھائی دی بختک سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ امیر کی سواری ہے گستم سے کہا۔

اے گستم! دیکھ یہ جو گرد اڑاتا چلا آتا ہے یہی وہ عرب ہے جو تیری ہمسری کا دعوی کرتا ہے۔ ذرا اسے دور سے دیکھ جب یہ تجھ بغل گیر ہو گا تو ایسے دبا کہ ہڈیوں کا مسالحہ بن جائے اور تیری طاقت کی دھاک بیٹھ جائے۔ گستم نے کہا تم فکر نہ کرو میں اسے ایسی سزا دوں گا کہ عمر بھر یاد رکھے گا۔

تھوڑی دیر بعد امیر قریب آیا اور گستم کے استقبال کو آگے بڑھا گستم گھوڑے

سے نیچے اترا۔امیر گستہم کو پیدل دیکھ خود بھی گھوڑے سے نیچے اترا۔اور دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے۔امیر نے اظہار محبت کے لیے گستہم سے بغل گیر ہوا۔

گستہم نے امیر کو چھاتی سے لگایا اور زور سے دبایا اور کہا؛

''اے عرب نوجوان مجھے تیری ملاقات کا بڑا شوق تھا یہ کہہ کر پھر دبایا۔امیر نے کہا اے گستہم تیرا یہ زور پیار کا نظر نہیں آتا۔لگتا ہے تو میرے ساتھ طاقت کا امتحان کرتا ہے۔

گستہم مسکرایا اور امیر کو اور زور سے دبایا۔مگر امیر نے پھر خیال نہ کیا اور کہا

اے گستہم کیا کہوں کہ مجھے کس قدر تیرے ملنے کی آرزو تھی میں روز سوچتا تھا کہ وہ کون سا خوش نصیب دن ہوگا جب تیری صورت نظر آئے گی اور تجھ سے بغلگیر ہوگا سو آج مراد پوری ہوئی۔

یہ کہہ کر امیر نے گستہم کو پورے زور سے دبایا تو گستہم تاب نہ لا سکا۔بڑا بلبلایا اور امیر سے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میرا دم نکلا جا رہا ہے۔امیر نے گستہم کو چھوڑ دیا۔

گستہم کو بہت شرمندگی ہوئی اور سوچا کہ بختک مفت میں یہ مقابلہ کروایا ہے۔جس کی وجہ مجھے آج ایک نوجوان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا۔پھر بھی امیر کے پاس گیا اور اس کے کان میں کہا کہ امیر تم واقعی جواں مرد ہو۔اگر مجھ پر ایک احسان کرو تو شکر گزار ہوں۔امیر نے کہا، کہو،تو گستہم نے کہا کہ ابھی جو کچھ ہوا اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ہماری تمہاری شرط رہی کہ کبھی پھر مقابلہ کریں گے۔امیر نے کہا ٹھیک اور گستہم مدائن کی طرف روانہ ہوا

اور امیر نے عمر سے کہا۔آؤ اب ہم بھی واپس چلتے ہیں،عمر نے کہا کیوں نہیں لیکن چلتے چلتے ان قیدیوں کو بھی دیکھتے جائیں گے جو گستہم قید کر کے لایا ہے سو امیر و عمر اور ان کے ساتھی بھی واپس روانہ ہوئے

☆

عمرو اور وزیر بختک

عزیز بچو! امیر جب قیدیوں کو دیکھنے واپس لوٹ رہا تھا تو دیکھا کہ ایک ہزار سوار ایک صندوق کو زنجیروں سے باندھ کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ امیر قریب گئے اور پوچھا اس کے اندر کون ہے۔

سپاہ نے جواب دیا۔ گستم اس کو قید کر کے لائے ہیں اور یہ بہرام خاں بادشاہ چین ہے۔ امیر نے کہا جس کو بہادری سے شکست دیتے ہیں اس کو ذلیل نہیں کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر صندوق کے قریب آئے اور زنجیروں کو کاٹا اور صندوق کا منہ کھولا اور دیکھا کہ جواں مرد زنجیروں میں جکڑا پڑا اور مارے بھوک و پیاس کے بے ہوش ہے امیر نے اس کو کچھ پانی اس کے منہ میں ڈالا تھوڑی دیر بعد اس نوجوان نے آنکھیں کھولیں اور کہا اے نیک مرد تو کون ہے کہ مجھے دوبارہ زندہ کیا، نئ زندگی دی، مجھے تو ان ظالموں نے جب ہی دی بے ہوشی کی دوا ہی دی

امیر نے پوچھا کہ تو اتنا توانا جسم ہے تجھ کو گستم نے کس طرح زیر کیا۔ اس نے جواب دیا جب میرے اور گستم کے درمیان معرکہ ہوا تو میں نے گستم کو شکست دی اور گستم بھاگ کر ایک جنگل میں اپنی فوج کے ساتھ جا گھسا اور میں نے ڈرپوک سمجھ کر پیچھا نہ کیا۔ غرض اسی طرح کئی ماہ گزر گئے۔ ایک دن میں شکار پر گیا اور راستہ بھول گیا۔ راستہ میں ایک جگہ میں پیاس سے بیزار ہو کر بیٹھ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد نوجوان آیا میں نے اسے بلایا اور سارا قصہ سنایا۔ اس نے میری تعظیم کی اور تھوڑی دیر بعد پانی لے آیا اور مجھے پلایا۔ پانی پیتے ہی میں بے ہوش ہو گیا، ہوش آئی تو پتہ چلا کہ وہ نوجوان گستم تھا۔ سو پھر اس کے بعد اس نے مجھے زنجیروں میں جکڑ لیا اور اس طرح پکڑ لایا۔ آپ کو مجھ پر رحم آیا اور مجھے پانی پلایا۔

جب امیر کو پتہ چلا تو بہرام خاں کو قید سے آزاد کرایا۔ سب فوجیوں کو مار بھگایا اور بہرام خاں کو اپنے ساتھ گھوڑے پر لے چلا۔

جب یہ خبر گستم ہوئی تو وہ سنتے ہی مارے غصے کے آگ بگولا ہو گیا اور سب حال نوشیرواں کو بتایا۔ یہ سن کر بادشاہ کو بھی بہت غصہ آیا اور کہا کہ امیر نے یہ کیا مقصود کیا کہ ہمارے حکم کے بغیر ایسی حرکت کی۔ فوراً ایک قاصد امیر کو لانے کے لیے بھیجا امیر تو خود بادشاہ کی طرف آرہے تھے، راستے میں قاصد ملا اور اس کے ساتھ ہی دربار میں داخل ہوئے اور پایہ تخت کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اے امیر تو نے دشمن بہرام کو رہا کیا۔ امیر نے کہا کہ بندہ کی غیرت اس بات قبول نہیں کرتی کہ ایک شخص کو دھوکے سے پکڑ کر زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ اب تمہیں تو کبھی لوگ ضرور کہیں گے نوشیرواں عادل نے ایک بہادر کو دھوکہ سے گرفتار کرایا۔ اے شاہ! کام ایسا کیجئے کہ بدنامی نہ ہو سو نیک نامی رہے اور پھر سارا قصہ سنایا اور بہرام کو بلایا۔ بادشاہ نے گستم کو بھی بلایا۔ اور بادشاہ نے بہرام سے کہا کہ بہرام بتا گستم نے بہادری سے تجھے قابو کیا یا دھوکہ بازی سے، گستم نے کہا دھوکہ بازی سے، میں اس وقت بھوک اور پیاس نڈھال ہوں پھر بھی گستم کہتا ہوں میرے مقابلے میں آئے اگر اس کا سر تن سے جدا نہ کروں کہ ہر دم ٹھرایا جاؤں۔ گستم نے سب یہ سنا مگر خاموش رہا اور بادشاہ کے سامنے شرمندہ ہوا۔

بادشاہ کو یہ دیکھ بہت افسوس ہوا کہ ایک قیدی جو اتنی بہادری دکھاتا ہے اور کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ بادشاہ نے کچھ سوچا اور پھر امیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ امیر تم بہرام سے لڑو گے۔ امیر نے کہا حضور جس وقت فرمائیں میں تیار ہوں۔ بہرام بھوک اور پیاس سے بہت نڈھال ہے۔ ایک ماہ تک اسے خوب کھلایا پلایا جائے کہ یہ پہلے جیسا توانا ہو جائے۔ پھر ہم دونوں میں زور آزمائی ہو تو مزہ آجائے۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور ایک ماہ کے بعد زور آزمائی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

ایک ماہ بعد دونوں دربار میں حاضر ہوئے۔ اکھاڑہ تیار کیا گیا اور دونو شیر کی

کھال کے جانگیے پہن کر اکھاڑے میں اترے اور زور آزمائی شروع ہوئی کبھی امیر نیچے اور بہرام اور کبھی بہرام نیچے اور امیر اوپر، غرض اسی طرح دونوں لڑتے رہے اور کسی نے ہار نہ مانی اور دوپہر کا وقت ہونے لگا۔ اسی لمحہ امیر کو ذرا سا طیش آیا اور زور لگا کر بہرام کو اٹھا کر چاہا کہ زمین پر دے مارے اور ہڈی پسلی ایک کر دے کہ بہرام نے دہائی دی اور کہا میں نے ہار مانی اور کہا تم مردان عالم ہو بہادروں کے بہادر ہو۔ امیر نے آرام سے اسے زمین پر پھینک دیا تو بہرام نے بادشاہ سے کہا اب میں حاضر ہوں آپ چاہیں تو میرا سر کاٹ دیں مگر بادشاہ نے معاف کر دیا اور بہرام امیر کے ساتھ رہنے لگا۔ اب بختک اور گستم یہ دیکھ کر بہت جلتے رہیں اور کیف افسوس ملتے کہ یہ عرب کہاں سے آ گیا جس نے ہماری عزت خاک میں ملا دی اور ہمارا یہ حال کیا کہ ہم بادشاہ کے سامنے منہ دیکھانے کے قابل بھی نہ رہے دل میں امیر کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بناتے۔ غرض یہ کہ بختک کو ایک دن پتہ چل گیا کہ عمر مکہ گیا ہوا اس نے فوراً گستم کو بلا لیا اور کہا کہ امیر کا چالاک وفادار مکہ گیا ہوا ہے کوئی ترکیب کرو کہ یہی وہ وقت ہے جب ہم امیر کو مار سکتے ہیں۔ گستم نے کہا ٹھیک ہے ۔میرے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی ہے۔ امیر کے پاس جاتا ہوں اور اس کی کامیابی پر اسے مبارکباد دیتا ہوں اور اپنے ہاں کھانے پر بلاتا ہوں جب وہ کھانے پر آئے گا تو ہم سب مل کر اسے مار دیں گے۔ بختک کو یہ ترکیب پسند آئی۔ سو گستم بھاگا بھاگا امیر کے پاس گیا اور اس نے ایسی باتیں کیں اور امیر گستم کو اپنا عزیز سمجھنے لگا پھر گستم نے دعوت کا کہا تو امیر نے قبول فرمائی شام کے وقت امیر نے بہرام کچھ وفادار ساتھیوں کے ہمراہ گستم کے گھر کی طرف روانہ ہوئے گستم نے خوش آمدید کہا اور سب کو کھانا کھلایا اور سب کے سامنے شربت رکھا جس میں نشہ آور دوائی ملی ہوئی تھی جیسے ۸ ہی شربت پیا سب کے ہوش اڑ گئے اور لگے بہکی بہکی باتیں کرنے گستم نے موقع غنیمت جانا اور امیر پر وار کیا مگر بہرام کس قدر ہوش میں تھا اس نے امیر کو

بچایا اور تلوار کا وار اپنے جسم پر کھایا گستم نے یہ دیکھا تو گھبرایا اور بھاگ نکلا۔ تھوڑی دیر بعد امیر کو ہوش آیا تو بہرام کو اپنے قریب خون میں نہایا ہوا پایا۔ بہرام تکلیف سے تڑپ رہا تھا امیر کو سب کچھ سمجھ میں آیا اور فوراً بھاگ کر حکیم کو بلایا۔ حکیم نے دیکھا تو زخم کاری تھا مگر حکیم نے بڑی عقل سے پیٹ میں ٹانکیں لگائے۔ امیر کی حالت عجیب تھی اور کہہ رہا تھا کہ اگر بہرام کو کچھ ہو گیا تو قسم ہے ساسانی قوم میں ایک زندہ نہ چھوڑوں گا۔

جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو سخت برہم ہوا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ گستم جہاں بھی ہو قید کر کے ہمارے سامنے لاؤ ہم اس کا وہ حشر کریں کہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ اس کے بعد بادشاہ نے امیر کو بلایا اور کہا کہ بہرام کو ہمارے محل میں لے آؤ۔ ہم شاہی طبیب سے اس کا علاج کروائیں گے۔ سو چند ہی دن میں بہرام کے زخم اچھے ہونے شروع ہو گئے۔ ادھر عمر بھی واپس لوٹ آیا۔

جب بہرام کے زخم اچھے ہو گئے تو بادشاہ نے اس خوشی میں ایک محفل سجانے کا پروگارم بنایا اور سوچا کہ بہرام کوئی تحفہ دیا جائے ایسا نہ ہو کہ وہ سمجھی کہ ہماری شرارت سے یہ کام ہوا ہے۔ سو یہ کام بزرجمر کے سپرد کیا گیا۔ بزرجمر نے محفل کا انعقاد کیا اور یہ اعلان بھی کیا کہ بختک اور عمر اس محفل میں شامل نہ ہوں گے کہ دونوں بانی فساد ہیں۔ امیر نے اس بات کو قبول کیا۔ جس دن محفل سجی اس دن محفل کے دروازے پر عادی پہلوان کو بٹھا دیا گیا کہ عمر اور بختک اندر نہ آنے پائیں۔ عادی بڑا مستعد ہو کر بیٹھ گیا۔ جب عمر کو اس بات کا پتہ چلا تو سوچا جانے کیسی محفل ہو گی جس سے میں محروم رہ گیا کوئی ترکیب ضرور کرنی چاہیے۔ تھوڑی دیر سوچ و بچار کے بعد ایک ترکیب ذہن میں آئی اور وہ محفل کی طرف روانہ ہوا۔ جب محل کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ عادی شراب پی رہا ہے اور خوب کباب کھا رہا ہے اور نوکر پاس کھڑے ہیں عمر قریب گیا اور ایک کرسی لے کر ساتھ ہی بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ عادی کے ساتھ

کھانے لگا جب عادی نے کھالیا تو عمر کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھنے لگا اے عمر اس وقت کیسے آنا ہوا۔عمر نے کہا تمہیں دیکھنے کو جی چاہتا تھا اس لیے آیا ہوں عادی نے کہا نہیں تمہارا جی بھلا مجھے دیکھنے کو کیوں چاہے گا کوئی اور بات ہے تب عمر نے کہا دراصل یہ ہے کہ آج میں نے بازار سے ایک قیمتی موتی خریدا ہے۔تمہیں دکھانے کو لایا ہوں کہ ٹھیک موتی ہے یا میں لٹ کہ آیا ہوں۔

عادی اپنے دل میں بہت خوش ہوا اور خیال کیا کہ عمر تجھ کو اتنا صاحب قوت جانتا ہے جو موتی پرکھوانے آیا ہے۔آنکھیں پوری کھول کر کہا دیکھا،عمر نے ہاتھ جیب میں ڈالا اور مٹھیاں ریت سے بھر کر باہر نکالیں اور جیسے ہی عادی نے دیکھا عمر نے ریت اس کی آنکھوں میں ڈال دی۔اس نے فوراً آنکھوں کو ملا اور عمر تیرا برا ہو کر مجھے اندھا کیا۔عمر اتنی فرصت پا کر محل کے اندر بھاگ گیا۔عادی نے پانی منگوایا اور نوکروں سے آنکھیں دھلوائیں جب آنکھیں درست ہوئیں تو پوچھا وہ کم بخت عمر کہاں ہے؟ نوکروں نے کہا ہم نہیں جانتے عادی نے سوچا شاید میرے ڈر سے بھاگ گیا اور پہلے کی طرح بیٹھ کر نگرانی کرنے لگا۔عمر نے محل میں داخل ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر امیر کہیں نظر نہ آیا سو ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دوتارا بجانے لگا۔امیر کے کان میں جونہی دوتارے کی آواز گئی تو بہرام کی طرف دیکھا اور کہا عمر کے دوتارے کی آواز آتی ہے ہم نے عادی کو منع کر دیا تھا کہ اندر نہ آنے پائے پھر وہ کیسے چلا آیا؟ عادی کو بلایا بادشاہ نے امیر کو برہم سا دیکھا تو کہا ہم نے عادی کا قصور معاف کیا اب جب عمر اپنی عیاری سے آ ہی گیا ہے تو اسے بلا لاؤ۔ایک درباری عمر کے پاس گیا اور کہا عمر چلو تمہیں بادشاہ بلاتے ہیں عمر نے کہا میں بے یار و مدد گار، بے آسرا آشنا ایک گوشے میں بیٹھا دوتار بجاتا ہوں مجھ کو بادشاہ اور امیر کی صحبت سے کیا کام ہے مجھے یہیں بیٹھا رہنے دو کبھی امیر مجھے دیکھ کر ناراض ہوں۔

درباری نے واپس جا کر سب حال کہہ سنایا بادشاہ یہ سن کر بے اختیار ہنسا اور امیر

کے ساتھ خود باہر کی طرف چلا، جب عمر نے دیکھا کہ بادشاہ خود آتا تو فوراً قدم بوسی کو آگے بڑھا۔ بادشاہ نے عمر کا ہاتھ پکڑا اور واپس ہوئے اور عمر کے ذمہ ساقی گیری کا کام لگایا جسے عمر نے بڑی خوبی سے نبھایا۔ کبھی سب کو ہنسایا تو کبھی باتوں ہی باتوں میں خوب رولایا۔ غرض یہ کہ وہاں امیر و بادشاہ کے ساتھ مل کر خوب مزہ اڑایا۔

جب بختک کو یہ پتہ چلا کہ بادشاہ نے عمر اور مجھے اندر آنے سے منع کیا تھا اور عمر اپنی چالاکی کی وجہ سے اندر چلا گیا تو بڑا جلا اور دل میں خیال کیا کہ اسے بھی کسی بہانے سے اندر جانا چاہیے۔ سو ایک گھوڑے پر بیٹھا اور کچھ تھان مخمل کے اپنے ساتھ لیے اور محل کی طرف روانہ ہوا۔ جب محل کے دروازے پر پہنچا تو گھوڑے سے اتر گیا اور عادی سے اظہار دوستی کیا۔ عادی تعظیم کر کے بٹھایا اور کہا آپ اس طرف کیوں تشریف لائے۔ بختک نے وہ مخمل کے تھان عادی کے سامنے رکھے اور کہا آپ ان کو قبول کریں اور مجھے اندر جانے دیں۔

عادی نے جو یہ سنا تو نہایت برہم ہوا اور کہا اے بختک تو مجھے راشی جانتا ہے جو رشوت دیتا ہے قسم ہے امیر کے سر کی تجھے اب ہرگز اندر نہ جانے دوں گا جا میرے سامنے سے دور ہو جاؤں۔ بختک نے ہر چند منت کی عادی نہ مانا۔ ناچار ہو کر بختک واپس آیا اور سوچا کہ اندر کیسے جایا جائے آخر خیال آیا کہ پانی کا ایک چھوٹا سا نالہ محل کے اندر ایک کونے سے باہر آتا ہے اسی کے ذریعے اندر چلا جاتا ہوں۔ سو نالے کے قریب گیا۔ دیکھا تو نالے میں پانی تھا۔ سو کپڑے اتار کر ایک گٹھری بنائی اور زور سے طاقت کے ساتھ محل کی دیوار کے دوسری طرف پھینک دی اور خود نالے کے ذریعے محل کے اندر داخل ہونے لگا۔

اب ادھر کی سنیں جب شام ہوئی تو عمر نے سوچا کہ میں نے اندر کی محفل تو خوب دیکھی چل کر باہر کی خیر بھی لے کون کس کام میں مشغول ہے اور دروازے پر کیا کرتا ہے۔ سو باہر نکلا اور ادھر اُدھر سب کو دیکھتا ہوا آخر میں دروازے کے قریب آیا اور

ایک جگہ چھپ کر عادی کو دیکھنے لگا۔ عادی اس وقت نوکروں سے کہہ رہا تھا کہ آج سہ پہر کو بختک میرے پاس آیا اور مجھے رشوت دیتا تھا کہ میں اسے اندر جانے دوں مگر میں نے اس کی ایک نہ مانی اور اسے اندر نہ جانے دیا اب تم ذرا اچھی سے پہرے واری کرنا کہیں وہ کم بخت کسی طریقے سے اندر نہ گھس جائے۔

عمر نے یہ باتیں سنیں تو دل میں کہا آج بختک ضرور آئے گا۔ مگر کس راستے سے؟ عمر اس سوچ میں ادھر ادھر چکر لگانے لگتا۔ اچانک دیوار کے اس طرف کے آگے ایک گٹھری آ کر گری۔ عمر نے فوراً گٹھری کھولی تو دیکھا کہ لباس ہے سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ بختک کا لباس ہو یقیناً اب وہ نالے کے ذریعے اندر آتا ہو گا۔ سو نالے کے ایک طرف چھپ کے بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد ہی دیکھا بختک نے نالے سے سر نکالا ہے۔

عمر سمجھ گیا کہ بختک آ گیا ہے گٹھری کو بغل میں دبایا اور چھ سات محافظ ہمراہ لے آتا، یہ کہہ کر محل میں چور گھس آیا ہے۔

جب عمر محافظ لے کر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ بختک ایک پیڑ کے نیچے ننگا کھڑا ہے اور اپنے کپڑے ڈھونڈھ رہا ہے۔ عمر نے اشارہ کیا اور محافظوں نے بختک کو پکڑ کر اسی درخت سے باندھ دیا اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ ہر چند وہ کہتا رہا کہ میرا نام بختک ہے اور میں تمہارا وزیر ہوں مگر یہ بات سن کو وہ اور مارتے اور کہتے کہ تو جھوٹ کہتا ہے اور ہمارے وزیر کا نام بدنام کرتا ہے۔ بھلا وزیر کا اس وقت یہاں اس حالت میں کیا کام؟

اچانک بختک کی نظر عمر پر پڑی اور سارا معاملہ سمجھ گیا زور سے چلا کر کہا اے عمر! تیری وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے تو سب جانتا ہے مجھے ان محافظوں سے چھڑا ۔تیرا ممنون رہوں گا۔ اور میرے کپڑے واپس کر دے۔

عمرو نے دیکھا تو کہا۔ اے محافظوں اسے چھوڑ دوں، تم نے غلطی کی یہ چور نہیں

واقعی تمہارا وزیر ہے۔

محافظوں نے جواب دیا کہ اس وقت بے اجازت شاہ کے پاس برہنہ ہوکر کیوں آیا ہے۔ہم اس کو صبح شاہ کے سامنے پیش کریں گے۔اگر شاہ نے کہاں تب یہی درخت سے کھولیں گے، یہ کہہ کر وہ سب چلے گئے۔

تب بختک نے کہا۔اے عمر مہربانی کر کے میرے کپڑے واپس کردے۔عمر نے کہا مجھے خبر نہیں کہ تمہارے کپڑے کس نے لیے۔لیکن اس کی خبر بادشاہ کو کرتا ہوں بغیر ان کے فرمان کے تمہیں کوئی نہ چھوڑے گا۔

یہ کہہ کر وہاں سے بادشاہ کی خدمت میں گیا اور بادشاہ سے کچھ نہ کہا۔صبح ہوئی تو بادشاہ اور امیر کو سیر کے بہانے باغ میں لے آیا جہاں تک بختک بندھا ہوا تھا۔

شاہ نے جو دیکھا کہ ایک درخت سے آدمی بندھا ہے، بادشاہ قریب گئے تو دیکھا کہ بختک ہے اور عجیب حالت ہے کہ درخت سے بندھا ہے اور اتنی مار پڑی کہ چربی نکل آئی اور ننگا ہے بادشاہ کو بختک کی یہ حالت دیکھ کر ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی لباس منگوا کر بختک کو پہنایا اور عادی کو بلایا۔

عادی فوراً بھاگا بھاگا آیا جب عادی آیا تو بادشاہ نے کہا عادی یہی مناسب ہے کہ ہم تمہیں دروازے پہ پہرے داری کے لیے دروازے پر بٹھائیں اور تم ایسے غافل ہو کہ بختک اور عمر اندر آئیں اور تم کو خبر نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔‘‘

عادی نے عرض کی اے بادشاہ! کسی کی کیا مجال کی بغیر اجازت کے اندر آسکے اگر کوئی پرندہ ہو تو اس کے بھی پر کتر ڈالوں۔۔واقعی بختک میرے پاس آیا تھا اور اندر آنے کے عوض مجھے رشوت بھی دیتا تھا مگر میں نے اسے اندر نہ آنے دیا اور لاچار ہو کر واپس لوٹ گیا۔

بادشاہ نے یہ سنا تو غصہ آیا اور کہا دیکھو وہ کون ہے،

عادی نے جو اپنے سامنے بختک کی صورت دیکھی تو آگ بگولا ہو گیا اور اس کی

گردن پکڑ کر کرسی سے کھینچا اور کہا۔ او مکار دغاباز سچ بتا کہ تو کس راستہ سے آیا نہیں تو بے عزت کروں گا۔

بادشاہ نے کہا بس چپ رہ اور اس کو لے جا، سو عادی نے اس کو پکڑا اور گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا اور سب لوگ ہنسنے لگے اور بادشاہ امیر کے ساتھ واپس ہوا۔

جب امیر بادشاہ کے ساتھ واپس آرہے تھے تو دیکھا محل کا ایک دریچہ کھلا اور ایک حسین و جمیل شہزادی محل سے نکلی۔ عمر نے دیکھا تو بڑی مشکل سے خود کو قابو میں کیا۔

بادشاہ نے کہا اے امیر یہ میری بیٹی مہر نگار ہے اسی طرح مہر نگار سے امیر کی پہچان کرائی اور امیر کی تعریف کی اور واپس ہو لیے۔

اب تو امیر ہر وقت مہر نگار کے بارے میں سوچنے لگا دوسرے دن دربار لگا تو امیر بار بار اٹھ کر باہر جاتے کہ شاید مہر نگار نظر آئے۔ بزرجمہر کو یہ بات پسند نہ آئی اور بادشاہ بھی حیران ہوئے کہ کیا وجہ کہ امیر بار بار اٹھ کر باہر جاتے ہیں۔ سو دوسرے دن دربار میں بختک کے کہنے پر اعلان ہوا کہ جو بھی دربار سے اٹھ کر جائے گا اسے سو درہم جرمانہ ادا کرے گا۔

بادشاہ نے اس بات کو پسند کیا اور دربار سجا اور بختک بڑا خوش ہوا۔ اب امیر کرسی پر بیٹھے تو بے چین ہوئے اور عمر کو بلایا اور عمر سے کہا، اے عمر تو میری حالت جانتا ہے لیکن بختک کے سبب میں باہر بار بار نہیں جا سکتا۔ سو کوئی تدبیر کر کہ بختک کو اپنے کیے کی سزا ملے۔

عمر نے کہا آقا جو آپ کا حکم، دیکھیے میں کوئی ترکیب نکالتا ہوں سو یہ کہہ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر آج مجھے ساقی کا کام سونپا جائے تو بندہ احسان مند ہو گا۔

بادشاہ نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ عمر نے صراحی و پیالہ اٹھایا اور سب کو جام پلاتا

بختک کے قریب آیا۔ اور چپکے سے جام میں جمال گوٹہ ملایا اور جام بختک کے قریب لایا۔

بختک نے جیسے ہی عمر کے ہاتھ میں جام دیکھا سمجھا کہ عافیت نہیں ہے آج عمر ساقی ہے تو کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ سو کہا کہ میں نہیں پیوں گا۔

مگر عمرو نے کہا سب پیتے ہیں تمہیں کیا عذر ہے مگر بختک کسی بات نہ مانا، تو عمر نے بادشاہ کی طرف منہ کر کے کہا

بادشاہ سلامت آپ نے مجھے ساقی بنایا ہے اور آپ نے ہی میرے ہاتھ سے جام پینے میں عذر نہیں فرمایا مگر بختک میرے ہاتھ سے جام پینے سے کتراتا ہے، خود کو بڑا سمجھتا ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے کہا۔ اے بختک جب ہم نے عمر کے ہاتھ سے جام پیا تو تم کون ہوتے ہو کہ عذر کرو۔ سو مجبور ہو کر بختک نے جام پیا۔ چند لمحے بعد بختک کے پیٹ میں گڑبڑ ہوئی تو اٹھا سو درہم جرمانہ دیا اور بھاگ کر گھر پہنچا اور فراغت پا کر واپس آیا چند منٹ بعد پھر پیٹ میں درد اٹھا سو پھر اٹھا سو درہم جرمانہ دیا اور پیٹ خالی کر کے واپس آ کے بیٹھ گیا، مگر تھوڑی دیر بعد پھر پیٹ میں گڑبڑ ہوئی تو پھر سو درہم جرمانہ دیا اب کی بار بادشاہ بختک پہ سخت ناراض ہوا اور کہا تم نے مزاق بنا رکھا ہے کہ دو منٹ بعد دربار سے اٹھ کر بھاگ جاتے ہو

غرض یہ کہ اس دن بختک کی بڑی بے عزتی ہوئی۔ سو اسی طرح دن گزرتے رہے اور آخر کار امیر سے رہا نہ گیا اور اس نے عمر سے کہا

میں بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں کوئی تدبیر کر عمر نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے۔ بزرجمر کے ذریعے بادشاہ کے ہاں پیغام بھجوا دیتے ہیں۔ بادشاہ ضرور قبول کرے گا۔

سو بزرجمر کے ہاتھوں بادشاہ کے ہاں پیغام بھجوایا بادشاہ بہت خوش ہوا اور گستم

اور بختک سے مشورہ لیا۔ اب گستم اور بختک امیر کے دشمن جان بھلا یہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ شہزادی کی شادی امیر سے ہو جائے۔

سو بادشاہ سے کہا۔ اے بادشاہ سلامت گو آپ کے سامنے زبان کھولنا بے ادبی ہے مگر آپ کا یہ فیصلہ عقل سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ کہاں بادشاہ کی بیٹی اور کہاں وہ غریب عرب زادہ۔ اور اس لیے بھی یہ فیصلہ مناسب نہیں کہ یوں عرب زادہ ساری سلطنت پر قابض ہو جائے گا۔ سو آپ غور فکر کریں اور اس فیصلے سے باز آئیں

انہوں نے بادشاہ کو خوب بہکایا اور بادشاہ بھی ان کی باتوں میں آ گیا۔ سو بادشاہ نے کہا لیکن اگر ہم۔۔۔منہ صاف انکاری ہوئے تو امیر کہیں ناراض نہ ہو جائیں اور ہمیں اپنا دشمن جان بنا لے کوئی صلاح دو۔

سو کچھ دیر تک تو بختک سوچتا رہا پھر یک دم خوشی میں اچھل پڑا اور کہا بہت خوب صورت بادشاہ سلامت سمجھیں ہمارا کام ہو گیا۔ مجھے یاد آیا کہ کافی عرصہ سے ملک ہندوستان سے خراج نہیں آ رہا اور وہاں کا بادشاہ خسرو بڑا زبردست ہے اور خراج دینے سے صاف انکار کرتا ہے۔ سو کل صبح آپ دربار میں اعلان کر دیں کہ ہندوستان کا بادشاہ باغی ہو گیا ہے اور خراج نہیں دیتا۔ سو جو اس باغی کا سر لائے گا مہر نگار کی اس سے شادی کر دی جائے گی۔ یقیناً سا سانیوں میں سے کوئی ایسی جرات نہیں کر سکتا۔ لیکن امیر جو مہر نگار کے نام پر مرتا ہے وہ ضرور قبول کرے گا۔ اول تو وہ سمندر میں مر جائے گا اور اگر بچ کر ہندوستان پہنچ بھی گیا تو ممکن نہیں کہ زندہ واپس لوٹ آئے کہ خسرو ایسا بادشاہ ہے کہ سنا ہے من کا گرز اپنے ہاتھ میں رکھ کر چلتا ہے اور ہاتھی اس کے وزن سے پچکا تا جاتا ہے اور اگر کوئی گھوڑا اس کی تصویر بھی دیکھ لے تو خوف سے مر جائے سو یہ ممکن نہیں کہ امیر اس کے ملک میں آپ اس کو شکست دے اور اگر ایسا بھی ہو جائے کہ امیر کو فتح ہوئی تو آپ کی ایک دشمن مارا جائے گا اور جب تک یہ محبت کا بھوت بھی کسی حد تک اتر جائے گا۔ اور نہ اترا تو پھر کوئی ترکیب

کریں گے فی الحال تو اس موذی سے جان چھڑانی ہے۔

بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی اور بختک کو خلعت عنایت کیا اور انعامات کے ساتھ واپس کیا۔

دوسرے دن دربار سجا سب امراء آ کر بیٹھ گئے اور امیر بھی بیٹھ گئے تو کچھ باتیں کرنے کے بعد بختک اٹھا اور کہا کئی سال ہوئے کہ ہندوستان سے اخراج آیا اور وہاں کے بادشاہ نے نوشیرواں کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا ہے۔ سو بادشاہ یہ سن کر اٹھ کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں کہا۔

ہندوستان کا بادشاہ خسر باغی ہو گیا ہے اور ہم سے دشمنی کی ٹھانی ہے وہ کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتا، کوئی جائے اور اس کا سر کاٹ کر لائے تو میں اپنی بیٹی مہر نگار کی شادی اس کے ساتھ کر دوں گا۔

مہر نگار خسرو کا سر۔ جس کو یہ بات منظور ہو عرض کرے۔

بادشاہ کی زبان سے یہ سن کر ہر ایک نے اپنے دل میں کہا کہ اس بات کا اقرار وہ کرے جس کو اپنی زندگی پیاری نہ ہو۔ ہم کہاں اور وہ کہاں۔ ہندوستان جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ جب سمندر کا سفر طویل کر کے زندہ بچ جائیں اور خسرو پر فتح پائیں تب کہیں یہ بات میسر آوے۔ اپنے آپ کو ناحق بلا میں پھنسانا اچھا نہیں تو کسی نے اٹھنے کی جرات نہیں کی۔

جب امیر نے دیکھا کہ کوئی کھڑا نہیں ہوتا، سب کو سانپ سونگھ گیا ہے اور کرسی سے اٹھے اور بادشاہ کو دعا دی اور کہا کہ اگر حکم عالی ہو تو بندہ وہاں جائے اور اپنی جان کو ظل سبحانی کے حکم پر فدا کرے۔ پروردگار کی توفیق اور شہریار کے اقبال سے جا کر اس کو زیر اور خسرو کا سر حضور کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دوں۔

بادشاہ نے یہ گفتگو سنی تو مسکرائے اور فرمایا کہ فوراً تین جنگی جہاز تیار کیے جائیں کہ ہر جنگی جہاز میں ایک ہزار جنگی سپاہی کی گنجائش بمعہ ساز و سامان و جانور ہو۔

سو اس اعلان کے بعد دربار برخاست ہوا۔ امیر بادشاہ سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے اور حکم دیا کہ ہماری فوج کوچ کے در بصرہ پر جائے اور زنجیروں کو تیار کرائے۔

پھر عمر کو بلایا اور چپکے سے کہا کہ اے عمر جی چاہتا ہے ایک مرتبہ کسی طرح مہر نگار کو دیکھ لوں۔

عمر نے کہا کہ اے امیر اگر آپ کا ارادہ ہے تو بندہ کوشش کرتا ہے۔ یہ کہہ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کے بعد یوں گویا ہوا۔

کہ قبلہ عالم نے امیر کو اپنا داماد کہا اور خداوند کی رائے عالی پر روشن ہو کہ امیر جہاں جائے گا آپ کا داماد کہلائے گا اور وہ جانثاری کے لیے آپ کے حکم کے مطابق چلا ہے لیکن بادشاہ سلامت یہ کیسی دامادی ہے کہ شربت بھی نہ پلایا اپنے داماد کو یہ تو بڑی جگ ہنسائی والی بات ہے۔

نوشیرواں ہنسا اور کہا اچھا جاؤ امیر کو بلا لاؤ ہم شربت پلائے دیتے ہیں۔

تو عمر نے کہا دربار میں تو کئی بار امیر شربت نوش فرما چکے ہیں بات تو یہ ہے کہ محل میں لے جایا جائے اور مہر نگار کی ماں امیر شربت پلائے اور پردے کے پیچھے سے کہے مہر نگار تمہاری امانت ہے اور بعد اس کے سب شربت پئیں۔

بادشاہ نے عمر کی اس بات کو قبول کر لیا اور عمر دوڑا دوڑا امیر کے پاس آیا اور امیر کو سارا قصہ سنایا۔ امیر پھولے نہ سمایا اور عمر کا منہ چوم لیا۔

جب امیر محل کی طرف چلے تو بختک کو بھی پتہ چل گیا اور سوچا اگر امیر محل میں گیا تو مہر نگار کو ضرور دیکھ لے گا اور اس لیے تو بھی چل اور کوئی ترکیب کر کہ امیر زرہا نو کو نہ دیکھے۔

سو یہ سوچ کر وہ بھی محل کی طرف چل پڑا۔ جب حرم کا دروازہ قریب آیا تو امیر کو پتہ چل گیا کہ بختک پیچھے پیچھے آ رہا ہے تو عمر کے ءکان میں کہا بختک ہمارے پیچھے

آ رہا ہے اگر تو کسی طرح اس کو روک لے تو میں تجھے دو ہزار درہم دوں گا۔

سو عمر نے کہا آپ آگے چلیئے میں کوئی ترکیب لڑاتا ہوں۔سو اپنے ساتھ اپنے چند عیاروں کو لیا اور بخشک کے قریب پہنچا اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا

اے خواجہ بخشک ہم ہندوستان کو جاتے ہیں جب خدا لائے گا تو پھر ملیں گے تم نے جو میرے پانچ ہزار درہم دینے ہیں سو واپس کر دو تا کہ راہ میں خرچ میں کروں۔

بخشک نے کہا عجیب آدمی ہے میں کام سے جاتا ہوں اور تو مجھے روکتا ہے کہ روپیہ دو۔میں روپے سے واقف نہیں جا بادشاہ کی عدالت میں جا کر مجھ پر دعوے کر۔

اتنی دیر میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔عمر نے۔میں بادشاہ کے دربار میں جا کر تب فریاد کروں جب تم سے کسی طرح کمزور رہوں۔ایک قدم آگے نہ بڑھنے دوں گا جب تک اپنا پیسہ نہ لوں گا۔

جب بخشک بہت تنگ ہوا تو اپنے غلاموں سے کہا،اس کو خوب مارو اور یہاں سے بھگا دو۔

عمر نے اس کے منہ سے یہ بات سنی تو چھلانگ لگا کر گھوڑے کے پیچھے چڑھ بیٹھا اور خنجر نکال کر اس کی نوک بخشک کی پیٹھ میں چبھو دی اور کہا۔

اگر تیرے غلام میرے نزدیک آئے تو یہ خنجر تیرے سینے کے اندر ہو گا۔سو بخشک نے غلاموں کو منع کر دیا۔اب پھر وہی بات شروع ہوئی اور عمر نے غصہ میں آ کر خنجر کا دستہ بخشک کے سر میں دے مارا اور بخشک کے سر میں سے خون بہنے لگا۔تب بخشک کے زار و قطار روتا بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور سارا حال کہہ سنایا۔

بادشاہ نے عمر کو بلایا تو عمر نے سارا حال کہہ سنایا اور گواہ کے طور پر اپنے عیاروں کو بلایا اور سب نے گواہی دی کہ بخشک نے عمر سے قرض لیا ہے سو بادشاہ کو عمر پر یقین آیا اور بخشک سے کہا۔

کہ عمر کا روپیہ اس کے ہندوستان جانے سے پہلے پہلے ادا کرو اب سیدھے گھر جاؤ اور پیسے کا انتظام کرو۔ سو خشک اپنا خون جلاتا واپس لوٹ گیا۔

ادھر امیر حرم میں پہنچا اور تھوڑی دیر بعد عمر بھی پہنچ گیا۔ مہر نگار کی ماں نے امیر کو اور عمر کو شربت پلایا جب شربت پی چکے تو مہر نگار کی ماں نے کہا۔

کہ اے امیر ہم نے تم کو اپنی دامادی میں قبول کیا تم ہندوستان جاؤ اور اگر تم نے خسرو کو شکست دے دی اور فتح یاب واپس آئے تب تک مہر نگار ہمارے پاس تمہاری امانت ہے۔

جب عمر نے یہ بات سنی تو کہا اے ملکہ عالیہ شرط تو یہ ہے کہ ہم اپنی جان قربان کرنے کے لیے ایک کاسر لینے کے لیے ہندوستان جا رہے ہیں اور اس کے بدلے میں امیر مہر نگار کے حق دار ہوں گے، لیکن جب تک امیر مہر نگار کو صحیح طرح دیکھ نہیں لیتے بات کیسے بنے گی۔ خدا جانے آپ کس کے ساتھ شادی کر دیں۔ قسم ہے بادشاہ کے نمک کی جب تک ہم مہر نگار کی صورت نہ دیکھیں گے واپس نہ جائیں گے۔

غرض عمر نے ایسی ایسی باتیں کہیں کہ مہر نگار کی ماں نے مہر نگار کو لا کر امیر کے پہلو میں بٹھا دیا۔

امیر نے مہر نگار کو جی بھر کے دیکھا اس موقع پر عمر نے امیر سے کہا کہ مہر نگار کو کوئی نشانی دو کہ یہ اپنے پاس رکھے اور آپ کو فراموش نہ کرے۔

امیر کے ہاتھ میں اس وقت ایک انگوٹھی تھی وہ اتار کر مہر نگار کو پہنا دی۔ اس طرح مہر نگار نے بھی انگوٹھی اتار کر امیر کے ہاتھ میں پہنا دی اور پھر وہاں رخصت ہوئے۔

امیر نے دوسرے دن تمام فوج کا جائزہ لیا اور جہازوں میں مناسب سامان بھروایا اور انہیں اسلحہ سے لیس کیا اور سپاہیوں کو بھی کچھ نصیحتیں کیں۔

شاہ خود امیر کو چھوڑنے آئے ہوئے تھے۔ سو امیر نے شاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا

۔شاہ نے فتح یاب واپس لوٹ کے آنے کی دعا دی اور امیر ،عمرو مقبل اور اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ جہازوں پر سوار ہوئے ۔ جہازوں کے لنگر اٹھا دیے گئے اور جہاز ہلکے ہلکے کھلے سمندر میں ہچکولے کھاتے ہندوستان روانہ ہوئے

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

عمرو اور موت کا فرشتہ

عزیز بچو:۔

بادشاہ نوشیرواں کے کہنے پر اس کی بیٹی سے شادی کرنے کے شوق میں امیر ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے ان کے ساتھ بے شمار سپاہیوں اور اسلحہ اور تحفے تحائف کے علاوہ عمر بھی تھا۔جیسے ہی جہازوں نے لنگر اٹھائے اور کھلے سمندر میں نکلے ۔اب تو عمر بہت گھبرایا اور امیر سے کہا کہ تو نے مجھے یہاں کیوں پھنسایا ۔بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرے تو اور مفت میں مشکلیں اٹھاؤں میں۔میرا کیا دماغ خراب ہوا مجھے تو اتنا بڑا سمندر دیکھ کے ڈر لگ رہا ہے نہ جانے کس وقت موت آ جائے ۔امیر نے لاکھ سمجھایا کہ تو میرا دوست ہے اور دوست کا ساتھ دینا ہوتا ہے مگر عمر نے واپس جانے کی ضد کی اور جہاز کے عرشے پر دوڑنے لگا اچانک اسے سمندر میں چھوٹا سا خشکی کا ٹکڑا نظر آیا۔عمر زمین سمجھ کر بہت خوش ہوا اور دل میں سوچا کیوں نہ اس خشکی پر چھلانگ لگادوں ۔تھوڑی دیر بعد جب کوئی کشتی ادھر سے گزرے گی تو میں بیٹھ کے واپس کنارے پہ چلا جاؤں گا۔یہ سوچ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا موقع غنیمت جان کر اس زمین پر چھلانگ لگادی۔

اب بچوں وہ ٹکڑا ایک بڑی مچھلی تھی جو ہوا خوری کو اوپر آئی تھی ۔اس کی پیٹھ پر جیسے ہی عمر کا پاؤں پڑا ۔اس نے پانی میں غوطہ مارا اور بے چارہ عمر غوطے کھانے لگا اور مدد کے لیے امیر کو بلانے لگا۔امیر نے جب یہ دیکھا کہ دوست مرتا ہے تو ملاحوں کو فوراً سمندر میں چھلانگ لگانے کو کہا اور عمر کو زندہ سلامت واپس لانے کا کہا۔ملاح دریا میں کودے عمر کو نکالا اور جہاز پر لائے ۔تب عمر ڈر کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ایک ماہ بعد جہاز ایک جزیرے میں پہنچا سب لوگ جہاز سے اترے اور ادھر ادھر پھرنے لگے عمر بھی ادھر ادھر پھرنے لگا اچانک اسے ایک شخص نظر آیا اور قریب آ کر کے عمر کو پیار کیا اور کہا تو نے مجھے پہچانا نہیں ۔میں تیرا خالو ہوں ایک

مدت سے ہندوستان میں تھا بہت مال و اسباب جمع کر کے کشتی پر سوار ہو گیا ناگہاں سمندر میں طوفان آیا کشتی ڈوب گئی بڑی مشکل جان بچا کر اس جزیرے پر پہنچا ہوں اور اب بھی میرے پاس ہیرے جواہرات جا ایک صندوق ہے۔

عمر نے کہا کہ میرا کوئی خالو نہیں ہے لیکن جواہرات کا نام سنا تو خاموش ہو گیا اور اس شخص کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر بعد اس شخص نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ اس درخت سے پھل توڑ کے کھاؤں۔عمر نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے میں ابھی توڑ لاتا ہوں اس شخص نے کہا نہیں یہ بات نہیں میرا دل چاہ رہا کہ خود پھل توڑوں اس لیے تم مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا لو۔تب عمر جھک گیا اور وہ شخص عمر پر سوار ہو گیا۔

وہ جیسے ہی عمر کی پیٹھ پر چڑھا اپنے پاؤں سے عمر کو باندھ لیا اور کہا دوڑو اب میں تمہاری پیٹھ پر بیٹھ کر مزے سے سیر کروں گا عمر نے لاکھ کوشش کی کہ اس اجنبی مخلوق سے نجات مل جائے مگر اس نے بڑی مضبوطی سے ہاتھ پاؤں باندھ لیے تھے۔سو عمر نے مجبور ہو کر بھاگنا شروع کیا وہ شخص عمر سے بہت خوش ہوا اور کہا خوب گھوڑا ملا ہے

۔

اب عمر بڑا پریشان ہوا اور سوچا کیوں نہ امیر کی طرف چلوں وہی اس مصیبت سے نجات دلائے گا اس آفت سے بچائے گا۔یہ ارادہ کر کے وہ امیر کی طرف چلا۔وہاں پہنچا تو عجیب ہی منظر پایا امیر سمیت تمام لوگوں کی پیٹھوں پہ اجنبی مخلوق سوار ہے۔عمر نے یہ دیکھا تو دل ہی دل میں امیر کو سخت سست کہنا شروع کر دیا۔سب ہی پریشان تھے وہ سوار جہاں چاہتے انہیں بھگاتے تھے اور وہ نہ بھاگتے تو مار لگاتے بال نوچتے عجیب مشکل میں جان پھنسی ہوئی تھے۔

آخر عمر کو ایک ترکیب سوجھی۔بھاگا بھاگا لوگوں کے قریب آیا اور اپنی زبان میں کہا اگر میں تمہیں ایک ترکیب بتاؤں جس سے تمہاری جان چھوٹ جائے تو جو میں مانگوں گا دو گے۔سب نے اقرار کیا۔تو عمر نے سب کو ایک ترکیب بتائی جو سب کو

بڑی پسند آئی۔ سب بھاگتے ہوئے جہاز پر گئے اور شراب کی بوتلیں اٹھالائے۔ عمر نے بھی شراب کی بوتل اٹھائی اور تھوڑی سی پی اور پی کر خوب بھاگا تو اوپر بیٹھے شخص نے کہا آج تو تو خوب بھاگتا ہے کہا یہ سب اس چیز کا کمال ہے جو میں پیتا ہوں۔ اس کو پی کر طاقت دس گنا ہو جاتی ہے مگر تم نہ پینا، یہ کہہ کر عمر نے تھوڑی سی اور پی اور تیز بھاگنے لگا اس شخص نے یہ دیکھا تو بوتل چھین لی۔ عمر نے پھر کہا کہ تم ہرگز نہ پینا مگر وہ نہ مانا اور آدھی بوتل پی ڈالی۔

شراب کا قاعدہ ہے کہ جوں جوں پی جائے توں توں خواہش زیادہ ہو جاتی ہے۔ مزے میں آکر باقی آدھی بوتل بھی گیا نشہ چڑھا اور بے ہوش ہو گیا اور گرفت ڈھیلی ہو گئی عمر نے اسے نیچے گرایا اور جان سے مار ڈالا۔ باقی سب نے بھی ایسا ہی کیا اور اس اجنبی مخلوق سے نجات پائی اور فوراً وہاں سے بھاگ کر جہازوں پر چڑھ گئے۔ اسی طرح ایک مہینہ اور چلنے کے بعد ایک جزیرے پر اترے سو عمر سب سے پہلے ایک تالاب پر گیا اور اپنا لباس اتار کر نہانا شروع کر دیا۔ نہانے کے بعد باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ لباس غائب ہے۔ سمجھا کہ یہ امیر نے شرارت کی ہے امیر نے دیکھا تو قریب آیا اور کہا تمہارے سر کی قسم مجھے کچھ خبر نہیں ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کچھ آوازیں سی آئیں۔ عمر نے جو درختوں پہ دیکھا تو ہزاروں بندر ادھر ادھر پھر رہے تھے اور عمر کے لباس سے کھیل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر عمر نے کہا۔ میرے لیے دوسرا لباس لاؤ میں ابھی انہیں مزہ چکھاتا ہوں سو دوسرا لباس لایا گیا تو سب سے پہلے عمر نے اپنی ٹوپی کو ہوا میں اچھالا اور پھر نیچے آتے ہوئے ہوا میں اپنے ہاتھ کو روک لیا ایک بندر جس کے پاس ٹوپی تھی عمر کی نقل اتاری۔ ٹوپی ہوا میں اچھالی پھر اس کو نیچے آتے ہوئے روکا لیکن رک نہ سکی اور زمین پر گر پڑی، اسی طرح عمر نے اپنا سارا لباس بندروں سے واپس لے لیا اور امیر سے کہا کہ اس جزیرے میں یہ بندر آدمیوں کو بہت تکلیف دیتے ہوں گے ان کا یہاں رہنا اچھا نہیں۔ عقل مند لوگ جس راہ

سے گزرتے جاتے ہیں اس راہ کو صاف کرتے جاتے ہیں۔ سو ہم بھی ایسا ہی کریں گے آپ لوگ جہازوں پر سوار ہو جائیں میں ان کا علاج کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر عمر نے تمام درختوں کو آگ لگادی اور دوڑ کر جہاز میں آبیٹھا اور جہاز پھر سے روانہ ہوا۔ چھ دن بعد سخت طوفان آیا جہاز بھنبھور میں پھنس گیا اور لگے گھومنے اور چکر لگانے۔

ملاحوں نے کہا کہ جہاز سات چکر لگائیں گے اور آٹھویں چکر میں سمندر کی تہہ میں اتر جائیں گے۔ سب کو موت اپنے سامنے نظر آنے لگی امیر نے سن کر کہا خدا کو یاد کرو۔ سب نے خدا کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اس سے مدد مانگی۔ اچانک امیر کی نگاہ ایک تختہ پر پڑی وہ سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اور اس پر سیاہ حروف سے لکھا تھا کہ اگر کسی کا جہاز یہاں بھنور میں پھنس جائے تو اس جہاز کا کوئی آدمی اس تختہ پر چڑھ کر اس کے اوپر جو چکر رکھا ہے اس کو سات بار گھمائے تو جہاز خود بخود بھنور سے نکل جائے گا۔ امیر نے یہ تحریر پڑھ کر سب سے مشورہ کیا تو عمر بولا میں یہ قربانی دینے کو تیار ہوں اور یہ قربانی چونکہ میں سب کی جانوں کے لیے دے رہا ہوں اس لیے میرے نام پر اپنی جائیداد میں سے ایک ایک لاکھ روپیہ لکھ دو تو میں جانے کو تیار ہوں

سب رضامند ہو گئے تو عمر نے امیر کے ہاتھ چومے اور ایک رسی اپنے جسم سے باندھ کر چھلانگ لگادی اور تختہ پر چڑھ گیا اور رسی کھول دی اور جیسے ہی سات بار اوپر رکھے ہوئے چکر کو گھمایا جہاز تیزی سے اس بھنور میں سے نکل گئے اور عمر منہ دیکھتا رہ گیا۔ اب عمر تنہا اس منیارہ پر رہ گیا اور ادھر چھ دن کی مسافت کے بعد امیر کے جہاز سراندیپ کی مشہور بندرگاہ پر پہنچے۔ عمر تنہا بڑا گھبرایا اسے ہر طرف پانی کے سوا کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ مایوس ہوا کہ اب کوئی صورت زندگی کی باقی نہیں رہی۔ یہ خیال کر کے رویا اور خدا سے دعا کی تو اچانک آواز آئی، عمر سمجھا شاید ملک الموت نے آواز دی ہے اور روح قبض کرنے آیا ہے، بڑا گھبرایا آنکھیں بند کر لیں پھر تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں تو اپنے سامنے ایک بزرگ سفید ریش کو پایا۔ عمر دوڑ کے ان کے

قدموں میں گرا اور خوب رویا اور خدا کا واسطہ دے کر مدد مانگی اور کہا بھوک کے مارے میرا دم نکل رہا ہے۔ بزرگ نے ایک چھوٹا سا نان اس کے سامنے رکھ دیا عمر نے کہا بھلا اس چھوٹے سے نان سے میرا کیا پیٹ بھرے گا مگر کیا کرتا اسے ہی کھانا شروع کر دیا۔ وہ نان جیسے جیسے کھاتا جاتا نان بجائے چھوٹا ہونے کے اور بڑھتا جاتا۔ اب تو عمر بہت حیران ہوا۔ خوب پیٹ بھر کے کھایا۔ پھر بزرگ نے ایک پیالہ پانی کا دیا جسے عمر نے پیا تو پانی ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ عمر نے بزرگ سے درخواست کی کہ یہ چیزیں اسے دے دیں، بزرگ نے وہ چیزیں عمر کو دے دیں اور ایک لاٹھی بھی دی اور کہا کہ یہ اپنے دوست امیر کو دینا اور اب اپنی آنکھیں بند کرو عمر نے اپنی آنکھیں بند کیں اور پھر کھولیں تو خود کو ایک صحرا میں پایا اور بزرگ غائب تھے۔ عمر نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا اس نے مصیبت سے بچایا اور بزرگ کے وسیلے سے مجھے خشکی پر پہنچا دیا۔

اب بچوں ادھر کی سنئے۔ امیر جب سراندیپ کی بندرگاہ پر اترے تو امیر نے سب سے کہا کہ عمر کے بچھڑنے کا ہمیں بہت دکھ ہے۔ اس لیے اب میں یہیں قیام کروں گا اور اگر چالیس دن تک عمر نہ آیا تو اس کا چالیسواں کر کے ہی یہاں سے آگے چلوں گا۔ یہ کہہ کر ماتمی لباس پہنا اور امیر کے ساتھ سب غم والم کا اظہار کرنے لگے۔

اب ادھر عمر چلتے چلتے ایک ویرانے میں پہنچا۔ تھک کر بیٹھ گیا تو نان نکال کر کھائی اور پانی پیا اور پھر چل پڑا، اچانک اسے ایک مسجد نظر آئی۔ سوچا یہاں کوئی ضرور ہوگا۔ اندر جا کر دیکھا تو پانچ آدمی پرتکلف لباس پہنے نماز میں مشغول ہیں جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو چار تو گھوڑوں پر بیٹھ کر روانہ ہوئے اور ایک پیدل چل پڑا اور ہلکے سے رونے لگا۔ عمر فوراً قریب پہنچا اور پوچھا آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں اور آپ کے رونے کا سبب کیا ہے۔

اس نے کہا۔اے نیک مرد ہم پانچوں شہید ہیں اور اس بیاباں میں رہتے ہیں بھوکے پیاسے کی مدد کرتے ہیں۔باقی چاروں اپنے گھوڑوں سمیت شہید ہوئے اور میں پیدل شہید ہوا اس وجہ سے پیدل چلتا ہوں اور روتا اس لیے ہوں کہ میں نے پیسے کے لالچ میں اپنا پیسہ ایک جگہ گاڑ دیا تھا اور گھوڑا نہ خریدا اور اگر تم چاہو تو میری مدد کر سکتے ہو۔

عمر نے کہا۔کہو! میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔

اس شہید نے کہا یہاں سے نو میل دور ایک گاؤں ہے اور وہاں ایک بڑا درخت ہے۔اس درخت کے نیچے دو ہزار اشرفیاں دفن ہیں۔ان کو نکال کو دو حصے کرنا۔ایک حصہ میرے والدین کو دیدینا اور ایک حصہ کو گھوڑا اور اسباب جنگ خرید کر کسی غریب کو خدا کے نام پر دیدینا۔اگر تم یہ کام کرو تو بڑا احسان ہے عمر نے وعدہ کیا تو اس شہید نے اپنی چادر اتار کر اسے دے دی اور کہا۔اس چادر کا کمال ہے کہ جو اوڑھتا ہے وہ سب کو دیکھتا ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔عمر نے چادر لی۔اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے روانہ ہوا اور مرد شہید کی وصیت کے مطابق عمل کیا اور وہاں سے چل پڑا ۔آخر خدا خدا کرکے عمر بھی سراندیپ کی بندرگاہ پر پہنچا۔دیکھا تو امیر کا لشکر خیمہ زن ہےعمر نے چادر اوڑھی اور خیموں کے قریب پہنچا تو دیکھا تمام لوگ سیاہ لباس پہنے ہوئے ہیں اور سارے لشکر میں دھوم ہے اور پہلوان عادی کھانا پکوا رہا ہے اور غریبوں میں مسلسل کھانا تقسیم ہو رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ہمارا دوست بھائی عمر سمندر میں مر گیا تھا آج اس کا چالیسواں ہے آؤ یہ کھانا اس کی فاتحہ ہے اور ہم سب اس کے غم میں رو رہے ہیں۔

عمر دل ہی دل میں مسکرایا اور کہا سب سمجھ رہے ہیں کہ میں مر گیا ہوں۔خیر اس نے دن ادھر ادھر پھر کے گزارا اور رات کو جب سب سو گئے تو عمر چادر اوڑھ کر عادی کے خیمہ میں داخل ہوا دیکھا چراغ جل رہا ہے اور عادی سو رہا ہے۔عمر آگے بڑھا اور

اس کے اوپر بیٹھ گیا اور گلا دبانے لگا۔ عادی نے جو اپنے سینے پر بوجھ سا پایا تو گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور لگا دعائیں مانگنے۔ عمر نے کہا۔ دعا سے کیا فائدہ ہوگا میں تمہیں لینے آیا ہوں جس طرف لے چلوں تو اس طرف چلو۔ عادی نے کہا تم کون ہو نظر نہیں آتے اور تمہارے یہاں آنے کا کیا سبب ہے۔

تب عمر نے کہا تمہارا دوست عمر مر گیا تھا جس کا آج تم نے چہلم کیا ہے اس وجہ سے آج اس کی روح کو جنت میں جانے کا حکم ہوا لیکن وہ جنت کے دروازے پر مچل کر بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ ہرگز اندر نہ جاؤں گا جب تک میرا دوست عادی میرے ساتھ نہ ہوگا۔ اب خدا نے مجھے تیری روح لینے کو بھیجا ہے سو میں تجھ کو لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر عادی کے ہوش اڑ گئے اور کہا کہ مجھے عمر سے کوئی غرض نہیں وہ تو میرا دشمن تھا۔ بہت اچھا ہوا کہ مر گیا۔ مجھے اس کیا ناطہ۔ مہربانی کر کے مجھے چھوڑ دو۔ عمر نے کہا یہ کس طرح ہوگا مگر ایک صورت ہے اگر میری کچھ نظر کرے تو تجھے چھوڑ دوں گا اور وہ عمر کو دوں۔ عادی رضامند ہو گیا اور سامنے کرسی پر اشرفیوں کا صندوقچہ رکھا تھا وہ عمر کو دیدیا اور کہا کہ اے فرشتہ عمر سے جا کر کہنا کہ عادی بیمار ہے چلنے پھرنے کے قابل نہیں ورنہ ضرور آجاتا عمر نے کہا اچھا جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ یہ مال و زر قبول کرتا ہے یا نہیں یہ کہہ کر عمر اٹھا اور باہر نکل گیا۔

عادی کو تمام رات خوف سے بخار رہا اور نیند نہ آئی صبح کو کانپتا ہوا امیر کے پاس گیا اور تمام قصہ سنایا۔ امیر نے کہا خدا خیر کرے مجھے تو لگتا ہے عادی پاگل ہو گیا ہے۔ تبھی ایسی دیوانوں والی باتیں کرتا ہے بھلا ملک الموت آئے اور پیسہ لے کر چلا جائے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

لیکن دوسرے دن عمر پھر ملک الموت بن کر ایک اور سردار کے پاس جا پہنچا اور وہی کچھ دہرایا۔ وہ سردار بھی گھبرایا اور بہت سارو پیہ پیسہ دے کر جان چھڑائی اور صبح آ کر سارا ماجرا امیر کو سنایا۔ اب تو امیر بھی پریشان ہوئے۔ اسی طرح اب عمر روز

چادراوڑھ کرآتا اور روپیہ پیسہ لے جاتا۔

اب ایک دن جو شامت آئی تو چادراوڑھ کرامیر کے سینے پر جا بیٹھا۔امیر سمجھا کوئی بلا ہے۔خیر امیر نے ہمت کی اور جہاں بوجھ سا پڑا محسوس ہوا تان کرایک گھونسا جمایا۔عمر تڑپ کر نیچے گر گیا اور بڑی بری چوٹ لگی۔چادر جسم سے گر پڑی۔امیر نے دیکھا تو زمین پر عمر گراپڑا ہے۔عمر نے معافی مانگی۔امیر مسکرایا۔عمر نے سارا ماجرا سنایا اور امیر نے عمر کو معاف کیا اور سینے سے لگایا، پاس بٹھایا اور خوشی میں پھولا نہ سمایا کہ دوست کو پایا۔تقدیر نے ساتھ نبھایا، بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔خدا کے حضور سجدہ شکر بجالایا اگلے روز عمر کی آمد پر جشن منایا اور دورے ہی روز کوچ کو حکم فرمایا۔ابھی ہندوستان سے کچھ ہی دور تھے کہ مخبروں نے پتا پایا سارے شہر کو جا کے بتایا کہ شاہ کوژ داماد امیر ہندوستان کے بادشاہ خسر سے لڑنے آیا ہے۔سو سارے شہر میں دھوم مچ گئی اور خسرو نے بھی جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

جب رات ہوئی تو عمر نے نماز پڑھی اور پھر سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ پانچ اور بزرگ کھڑے ہیں انہوں نے پانی پینے کو کہا۔عمر فوراً اٹھا اور انار کا شربت لاکر سامنے رکھ دیا اور انہیں پلایا اور ان کی خوب خاطر مدارت کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور کہا اے عمر مانگ کیا مانگتا ہے۔عمر نے کہا بس مجھے دعا دیجئے۔اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔بزرگ بہت خوش ہوئے۔پہلے بزرگ نے انہیں اپنی مرضی سے ایک لباس عمر کو دیا اور کہا کہ اس لباس کو پہن کر تو ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔اور اس میں جو زنبیل (جھولی، تھیلی یا روپیہ کمر سے باندھنی کی نالی) اس میں تو جو ڈالے گا غائب ہو جائے گا اور جو طلب کرے گا وہ اس میں سے نکل آئے گا اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر جو بات کہے گا پوری ہوگی۔اور جو نہ زبان چاہے گا بولے گا

ایک اور بزرگ آگے بڑھے اور کہا کہ میں تجھے یہ دوتارا دیتا ہوں تو اس کو

بجائے گا تو کوئی تیرے سے بڑھ کر نہ ہوگا جو سنے گا واہ واہ کرے گا۔

تیسرے بزرگ نے کہا کہ میں نے تجھے دعا دی کہ تو جتنا تیز چاہے گا بھاگ سکے گا ذرا نہ تھکے گا۔

چوتھے بزرگ نے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا تو جتنا چاہے گا بوجھ اٹھائے گا تجھے پتہ ہی نہ چلے گا۔

پانچویں بزرگ نے ایک شیشہ دیا اور کہا تو اس میں جس چیز کو دیکھنا چاہے گا دیکھے گا اور جو کچھ پوچھنا ہوگا یہ آئینہ بتائے گا

اس کے بعد آخری بزرگ آگے بڑھے جو سب میں افضل ترین تھے اور ان کے چہرے سے نور کے فوارے پھوٹ رہے تھے عمر سے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔عمر نے کہا میں یہ مانگتا ہوں کہ بندہ جب تک اپنے سے تین مرتبہ موت نہ مانگے نہ مرے ،بزرگ نے دعا دی اور کہا انشا اللہ ایسا ہی ہوگا۔

عمر بہت خوش ہوا اور جاگ پڑا۔اب جو دیکھا تو سب چیزیں سرہانے پڑی ہیں

۔

ادھر امیر بھی نماز سے فارغ ہو کر سو گئے رات کو خواب میں دیکھا ایک بزرگ آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اے امیر میں تجھے یہ بازو بند دے رہا ہوں اس کو اپنے بازو پر باندھے رکھنا اس کی برکت سے بازو پر کبھی زخم نہ آئے گا اور تیرے ہاتھ ہزار ہا گنا طاقت آجائے گی لیکن یاد رکھ کبھی کسی سے برا نہ کرنا ،کسی کا دل نہ دکھانا اور جو پناہ مانگے اور پناہ دینا اور جو بھاگ جائے اس کا پیچھا نہ کرنا تا کہ تم آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے امتی ہو۔عالم کفر تمہارے ہاتھ سے پاک ہوگا۔یاد رکھو کبھی پیش دستی نہ کرنا۔بے جا نعرہ کبھی نہ لگانا یہ کہہ کر امیر چھاتی سے لگایا اور چلے گئے۔امیر گھبرا کر اٹھ بیٹھا دیکھا تو سرہانے پر بازو بند پڑا ہے بہت خوش ہوا اور اسے ہاتھ میں پہن لیا۔

اب عمر کی سنئے ۔ اسے اتنی چیزیں ملیں تو پھولا نہ سمایا اور شرارت سوجھی ۔فوراً زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور کہا میرا قد لمبا اور رنگ کالا ہو جائے ۔ کہنے کے ساتھ ویسا ہی ہو گیا۔عمر نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت دیکھ کر گھبرا گیا مگر سنبھلا ۔ہاتھ میں خنجر لیا اور دوتارا بجاتا لشکر میں آیا۔جس نے دوتارے کی آواز سنی بے چین ہو گیا ۔امیر بھی دوتارے کی آواز سن کر بہت خوش ہوا، اور کہا توں کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔عمر نے کہا میرا نام محبوب سیاہ تن ہے اور میں اسی ملک کا رہنے والا ہوں۔

امیر نے کہا تو نے دوتارا بہت اچھا بجایا ہے مانگ کیا مانگتا ہے۔عمر نے کہا اللہ کا دیا سب کچھ ہے لیکن ایک آرزو رکھتا ہوں کہ مجھے کسی نے اس قدر دیا کہ جتنا میں اٹھا سکوں ۔امیر نے حکم دیا کہ اس خزانے میں لے جاؤ اور جتنا خزانہ یہ اٹھا سکے اسے دے دیا جائے سو خزانے کے محافظ اسے لے گئے اور ایک بہت بڑے صندوق کا منہ کھول دیا اور کہا اس میں سے جتنا اٹھا سکتے ہو اٹھا لو عمر نے صندوق کو بند کر دیا اور صندوق کو اٹھایا اور لے چل پڑا تب تو سب حیران ہوئے اور کہا بے شک یہ کوئی آدمی نہیں بھاگے بھاگے امیر کے پاس آئے اور سارا قصہ سنایا کہ وہ آدمی سارا خزانہ لے کر جا رہا ہے۔

امیر سنتے ہی آیا اور خیال کیا کہ شاید عمر کو کہیں سے کوئی معجزہ مل گیا ہے کیونکہ وہی ایسی حرکت کر سکتا ہے۔سو عمر کے قریب گیا اور کہا

بھائی عمر ہم نے تجھ کو پہچان لیا تب تو عمر لاچار ہوا، صندوق رکھ کر فوراً امیر کے قدموں میں گر پڑا اور سارا قصہ سنایا۔امیر نے بھی رات کا واقعہ عمر کو سنایا۔عمر نے زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور دعا کی واپس اصل شکل میں آجاؤں تو فوراً ایسا ہو گیا اور سب حیران رہ گئے۔

اب عمر نے امیر سے درخواست کی کہ غلام کی جی چاہتا ہے کہ جا کر خسرو بادشاہ ہندوستان کے لشکر کا حال معلوم کروں، امیر نے اجازت دے دی، اندر داخل ہوا تو

کیا دیکھتا ہے کہ ایک عالی شان تخت پر بادشاہ بیٹھا اپنا جاہ جلال دیکھا رہا ہے۔ سو عمر نے سلام کیا اور دو تارہ بجانے کی درخواست کی۔ خسر نے اجازت دی۔ عمرہ نے دو تارہ بجایا تو بادشاہ سمیت سب لوگ جھوم اٹھے۔

جب عمر دو تارہ بجا چکا تو بادشاہ نے کہا مانگ کیا مانگتا ہے۔ جواب دیا اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بس جی چاہتا ہے کہ دو گھڑی ساقی گری کروں، سب کو شراب پلاؤں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ اور عمر نے شراب پلانی شروع کی اور زنبیل میں سے تھوڑی بے ہوشی کی دوا نکالی اور چپکے شراب میں ملا دی۔

اب جو سب نے شراب پی تو لگے بے ہوش ہونے تھوڑی ہی دیر میں سب بے ہوش ہو گئے۔ عمر نے یہ حالت دیکھی تو دست درازی شروع کی۔ بادشاہ کو نیچے لٹایا تخت اٹھایا اور زنبیل میں ڈال لیا۔ پھر قالین اور دوسرا ساز و سامان اٹھایا اور زنبیل میں ڈال لیا۔ پھر سب کے کپڑے اتارے خالی جانگیہ رہنے دیا وہ بھی سب زنبیل میں ڈالے اور واپس روانہ ہوا۔ خیمہ میں آ کر لباس تبدیل کیا اور آرام سے بیٹھ کر اسباب نکالنے لگا کہ امیر آ گیا اور سارا معاملہ سمجھ گیا اور کہا کہ عمر تو نے یہ کیا کیا۔

امیر ناراض ہوا اور سارا اسباب پہلوان عادی کے ہمراہ واپس خسرو کے پاس بھجوانے کا انتظام کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر عمر نے کچھ بے ادبی کی ہے تو مجھ کو بتاؤ میں اسے سزا دینے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجوں۔ اور کچھ تحفے دیکر عادی کو روانہ کیا۔

ادھر جب دربار میں سب کی بے ہوشی ختم ہوئی تو ہر ایک نے بادشاہ سمیت خود کو برہنہ حالت میں پایا سب بہت گھبرائے۔ پوشاکیں منگوا کر پہنیں اور عمر کو بد دعائیں دیں کہ اس بد بخت نے یہ کرشمہ دکھایا۔

دوسرے دن عادی سارا سامان لے کر ہندوستان پہنچا اور خسرو کے دربار میں حاضر ہوا جو عمر لے گیا تھا واپس کیا اور سارا حال کہہ سنایا۔

خسرو مسکرایا اور کہا ہم نے عمر کو معاف کیا اور اس سے کہو کہ ہم سے آن کر اپنی اصلی شکل میں ملے۔

امیر نے عمر کو پھر بھیجا۔عمر نے پھر شرارت کی اور ایک جوہری کا بھیس بدل کر دربار میں آنے کی اجازت طلب کی خسرو نے اجازت دیدی۔عمر اندر آیا اور بادشاہ کے تاج کو دیکھ کر مسکرایا اور کہا اس میں لگے تمام ہیرے نقلی نظر آتے ہیں۔

خسرو نے کہا اے جوہری تیرا دماغ خراب ہوا ہے۔کہا سچ کہتا ہوں۔اچھا ذرا اتار کر دکھاؤ۔خسرو نے تاج کو اتار کر عمر کے حوالے کر دیا۔عمر نے کہا مجھے یہاں نظر نہیں آتا۔باہر جا کر دیکھوں گا۔خسرو نے اجازت دی۔عمر تاج لے کر باہر نکلا باقی لوگ ہمراہ تھے۔

عمر نے باہر نکل کر کہا دیکھو آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی ہے۔کچھ دکھائی نہیں دیتا۔لوگوں نے کہا اتنا جھوٹ بولتا ہے بھلا ابر کہاں ہے یہ کہہ کر آنکھیں اوپر اٹھائیں اب جو نظر نیچے کی تو کیا دیکھا کہ عمر دور بھاگا جا رہا ہے۔سارے اس کے پیچھے بھاگے مگر اس تک نہ پہنچ سکے لیکن اچانک سامنے پہاڑ آ گئے اور آگے جانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی۔حیران ہوا کہ کہاں جاؤں جلد ہی لوگ آکے پکڑ لے گے،ساتھ ہی ایک دھوبی کا گھر نظر آیا فوراً اندر داخل ہوا تو دھوبی کو کھڑے پایا۔

کہا میں تیرے لیے بڑی بری خبر لایا ہوں۔بادشاہ ہندوستان نے تیرا سر کاٹنے کو فوج بھیجی ہے کیونکہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا ہے جس کی تعبیر یہ بتائی گئی ہے کہ دھوبی کا سر کاٹ کر اس کے خون سے جنگ کا طبل رنگا جائے تو فتح ہوگی۔اسی لیے فوج تیرا سر کاٹنے کو آ رہی ہے۔

اب تو دھوبی گھبرایا اور کہا اے نیک بخت اب میں کیا کروں۔

عمر نے کہا یوں کہ کہ اپنے کپڑے مجھے دیدے اور میرے کپڑے تو پہن لے اور جا کے ندی کے قریب بیٹھ جا۔میرا جو حال ہوگا دیکھا جائے گا۔

دھوبی مان گیا اب عمر دھوبی بن کے بیٹھ گیا۔اب فوج نے آ کر بے چارے دھوبی کو پکڑ لیا اور خوب مارا۔اس نے سارا قصہ سنایا تب فوج کو یقین آیا۔اب جو واپس آ کر دھوبی کا گھر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔عمر نے موقع غنیمت جانا اور نکل کے بھاگ گیا تھا۔سب واپس آئے۔بادشاہ خسرو بھی تھک کے بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر عادی تاج سمیت واپس لوٹا اور سلام کیا اور تاج بادشاہ کو واپس کیا۔خسرو نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ دل چاہتا ہے کہ عمر کو دیکھوں اور تمہارے امیر کو بھی دیکھوں۔

عادی نے واپس آ کر بتایا تو امیر خود عمر کے لے کر دربار میں پہنچا اور اجازت طلب کی۔خسرو خود باہر آیا اور پیار سے بٹھایا اور خوب باتیں ہوئیں۔

خسرو کو امیر بہت پسند آیا اور خسرو نے امیر سے عہد دوستی کی درخواست کی تو امیر نے کہا حق دوستی آپ نے خوب نبھایا لیکن میں یہاں جنگ لڑنے آیا ہوں۔

یہ سن کر خسرو نے کہا کہ اس بات کا ارادہ ترک کریں اور صلح کریں جتنا لشکر اور خزانہ چاہیے حاضر ہے اور اگر فرمائیں تو فوج لے کر آپ کے ہمراہ چلوں اور نوشیرواں کو مار کر آپ کو ایران کا بادشاہ بناؤں اور پھر آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاؤں۔

امیر نے کہا۔نوشیرواں نے تمہارا سر لینے کے لیے مجھے بھیجا ہے۔

خسرو نے یہ سنا تو اپنی کمر سے تلوار کھول کر امیر کے روبرو رکھ دی اور سر جھکا دیا اور کہا

آپ کو یہی منظور ہے تو سر کاٹ لیجئے

فرمایا اس طرح نامرد کاٹتے ہیں۔ہاں میدان میں اگر کارسازی جنگ سے ہو تو مضائقہ نہیں۔یا تو تم میرا سر کاٹ لو یا میں تمہارا۔

خسرو نے کہا اگر آپ نہیں مانتے تو ناچار میں حاضر ہوں خیر اب جدا ہوتے ہیں

کل طبل جنگ بجوائیے۔

امیر نے کہا۔ پہلے میں ہرگز طبل نہ بجواؤں گا۔ کہ میرے ہاں منع ہے۔

دوسری صبح ہوئی تو خسرو کی طرف سے بھی طبل جنگ نہ بجا۔ اور ادھر سے بھی کوئی آواز نہ آئی۔ اسی طرح دن گزر گیا تو امیر کو تشویش ہوئی اور فوج کے ایک سردار کو بھیجا اور کہا کہ اے خسرو جنگ کا طبل کیوں نہ بجایا ہمارے فوجیں لڑنے مرنے پر تیار ہیں

جواب میں خسرو نے کہا بھیجا

کہ ہم لڑنے مرنے پر تیار نہیں جو لڑنے مرنے پر تیار ہے طبل جنگ بجوائے۔

اب تو امیر بھی پریشان ہوا۔ کیونکہ وہ پہلے طبل جنگ نہ بجوا سکتا تھا۔

پھر رات کو خسرو کے پاس گیا۔ خسرو نے پاس بٹھایا دوستوں کی طرح خدمت کی اور فرمایا کہ اے امیر کس طرح تشریف لائے۔

امیر نے کہا آپ نے طبل جنگ کیوں نہ بجوایا۔ تو خسرو نے وہی جواب دیا۔

امیر نے کہا۔ اس طرح تو کوئی فیصلہ نہ ہوگا۔

خسرو نے کہا۔ جنگ کرنا اچھے آدمیوں کا کام نہیں جب میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں اس لیے جنگ سے درگزر کرو۔۔۔۔ کیونکہ جنگ میں بے شمار لوگوں کا نقصان ہوگا۔ دوست سے دوست ٹکرائے گا۔ مفت میں دشمنی بڑھے گی۔

امیر نے بڑا سوچا تو خسرو نے جواب دیا

ایک فیصلہ میرے ذہن میں آیا ہے۔

امیر نے کہا بتاؤ۔

خسرو نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بادشاہ تک جانے کو تیار ہوں۔ میں خود نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہو جاؤں گا۔ پھر وہ جو چاہے گا مجھے سزا دے گا۔

اس طرح دونوں دوست مل گئے اور سب لوگ بغیر جنگ کیے خسرو بادشاہ ہندوستان کو ساتھ لیے واپس لوٹے۔

عمرو کی چالاکیاں

عزیز بچو!

امیر شہنشاہ خسرو کو ساتھ لے کر واپس اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر جب بادشاہ نوشیرواں کو یہ خبر ملی کہ امیر ایک فاتح کی حیثیت سے آ رہا ہے تو اس کو وہ وعدہ یاد آیا جس میں اس نے فاتح کی حیثیت سے واپس آنے پر اپنی بیٹی مہر نگار کی شادی اس سے کرنی تھی چونکہ دشمنوں نے بادشاہ کو بہکایا تھا کہ امیر اس کی سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اس لیے ہی نوشیرواں نے امیر کو ہندوستان کی اطرف روانہ کیا تھا اور اسے یقین تھا امیر وہیں مارا جائے گا اور اس کی جان بچ جائے گی مگر اب تو معاملہ الٹ ہو گیا۔ سو بادشاہ نے فوراً اجلاس بلایا تو بختک نے موقع پا کر کہا اے بادشاہ بہتر صورت یہی ہے کہ سارے ملک میں یہ خبر پھیلا دی جائے کہ امیر خسرو کے ساتھ لڑتا ہوا مارا گیا اور مہر نگار کی شادی کر دی جائے پھر جو ہو گا دیکھا جائے۔ بادشاہ کو بختک کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور فوراً شہر میں امیر کی موت کا ڈھنڈورا پچ گیا جس نے سنا امیر کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رو یا۔

جب مہر نگار کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بھی بہت روئی سر کو دیواروں سے مارا اور دیوانی سی ہو گئی۔ چند دن بعد ہی مہر نگاری کی شادی اولاد بن ازبان سے طے کر دی گئی۔ مگر مہر نگار نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے بہت واسطے دیے تو مہر نگار چالیس دن کے بعد شادی کرنے پر رضامندی ہو گئی۔

اب بچو ادھر کی سنئے، امیر خسرو کو لے کر بڑی شان سے آ رہے تھے، شہر کے باہر آرام کے لیے پہاڑوں کے نزدیک ڈیرے ڈالے کہ جلدی ہی شہر میں پہنچیں گے اور خسرو کے ساتھ آنے کی خوشخبری سنائیں گے۔ عمر اپنی دھن میں مگن ادھر ادھر گھوم رہا تھا اچانک اسے دو سپاہی نظر آئے۔ ایک نے چاندی کا قیمتی پیالہ پکڑا ہوا تھا اور دوسرے نے سونے کا عمر نے زنبیل میں ہاتھ ڈالا اور کہا کہ مجھے ایک ٹانگ اور ایک

ہاتھ سے معذور کر دے تو فوراً عمر ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ سے معذور کر دے تو فوراً عمر ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ سے معذور ہو گیا اور رینگتا ہوا ان سپاہیوں کے پاس گیا ،سپاہیوں نے اسے اس حالت میں دیکھا اور افسوس کیا۔

عمر نے کہا میرے بھائیوں خالی افسوس نہ کر کچھ میری مدد کرو،سپاہیوں نے کہا اے معذور بندے ہم تیرے کیا مدد کر سکتے ہیں ۔عمر نے کہا میں بہت غریب ہوں ایک بزرگ نے میری معذوری کا یہ علاج بتایا ہے کہ اگر تو چاندی کے کٹورے (پیالہ) میں پانی پیے گا تو فقیر ا ہاتھ درست ہو جائے گا اور اگر تو سونے کے کٹورے میں پانی پیے گا تو تیرا پاؤں درست ہو جائے گا۔

سپاہیوں نے کہا اچھا اگر ہمارے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے کٹوروں سے تیرا علاج ہو سکتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہے یہ کہہ پہلے سپاہی نے کٹورا پانی سے بھرا اور عمر کو پیش کیا ،عمر نے پانی پیا اور ہاتھ درست کرنے کو کہا تو ہاتھ ٹھیک ہو گیا پھر عمر نے سونے کے پیالے میں پانی میں اور زنبیل میں ہاتھ ڈال کر پاؤں درست کرنے کو کہا اور عمر کا پاؤں بھی ٹھیک ہو گیا اور دونوں چیزوں کو لے کر ایک چھلانگ لگائی اور بھاگ گیا اور دونوں سپاہی منہ دیکھتے رہ گئے اور ایک دوسرے کو کوستے ہوئے واپس لوٹے۔

دوسرے دن عمر ایک نجومی بن کر بیٹھ گیا اور لوگوں کو جھوٹا سچا حال بتانا شروع کیا ۔ایک آدمی قریب آیا تو وہ عمر کا پرانا دوست تھا چونکہ عمر نے چہرہ بدلا ہوا تھا اس لیے وہ عمر کو پہچان سکا لیکن عمر نے اسے پہچان لیا ۔فوراً نام لے کر بلایا وہ بڑا حیران ہوا اور اسے بہت کچھ بتایا اب تو وہ اور بھی حیران ہوا اور کہا اے مرد کامل تو علم و نجوم یکتا ہے آج کل ہماری شہزادی بڑی تکلیف میں ہے۔

عمر نے کہا کیوں کیا ہوا۔اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ امیر فتح یاب ہو کر جلد واپس آرہے ہیں ۔اس آدمی نے کہا کیوں جھوٹ بولتا ہے ۔امیر تو جنگ میں مارا گیا اور

پھر اس نے سارا حال کہہ کر سنایا۔ اب عمر کو سارے قصہ کا پتہ چلا۔ کہا اچھا ہمیں شہزادی کے پاس لے چلو ہم اسے بھی حال بتائیں گے۔ وہ آدمی اسے دربار تک لے آیا اور شہزادی کو بتایا۔ مہر نگار ی دوڑی آئی اور اپنا ہاتھ دکھایا تو عمر نے بہت کچھ سچ بتایا اور اپنی شکل میں واپس آیا۔

مہر نگار عمر کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور رہ کر کہا تیرا دوست مارا گیا۔ عمرو نے کہا کم از کم تم ایسا نہ سمجھیں نہ کہو یہ کہہ کر عمر نے سارا حال سنایا۔ اب تو شہزادی بہت خوش ہوئی۔ پھر افسردہ ہو کر کہا لیکن آج چالیسواں دن ہے کل میری شادی اولادین ربان سے کر دی جائے گی چاہے میں لاکھ کہوں۔

عمرو نے کہا تو اس کی فکر نہ کر اب میں سب سنبھال لوں گا۔ اتنے میں وہ درباری جو عمر کا دوست تھا آیا اور کہا کہ نجومی کو اولادینوزبان نے طلب فرمایا ہے۔ عمر نے پھر چہرہ تبدیل کیا اور مسکراتا ہوا اولادبن رزبان کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر اس نے ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ گھبرا گیا اور شادی سے باز آیا آیا اور شہر سے بھاگ گیا۔ عمر امیر کے پاس آیا اور مہر نگار کا حال سنایا۔

اب سنیئے دوسری طرف جب دربار شاہی لگا تو نوشیرواں آیا اور امیر کا حال پوچھا، کچھ فیصلے کیے اور دربار برخاست کیا تو بختک نوشیرواں کے قریب آیا اور کہا بادشاہ! اب تو آپ کا تخت اور بھی خطرے میں ہے جب امیر اکیلا تھا تو اس کا مقابلہ کرنا مشکل تھا اب خسرو اور بہرام اس کے رفیق ہوئے ہیں۔ دوسری طرف جو آپ کا داماد بن رہا تھا وہ نہ جانے کہاں ملک چھوڑ کر بھاگ گیا اب آپ اعلان کر دیں خسرو کے مرنے کی خبر کی غلط تھی کیونکہ امیر سلامت ہے اس لیے اب مہر نگار کی شادی اولادبن رزبان سے نہیں ہو گی۔ بادشاہ نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر اب امیر کے ساتھ کیا کریں۔

یہ سن کر بختک نے کہا کہ کل امیر کو دربار میں طلب کریں اور کہیں کہ ہم خسرو کا سر

لانے کو کہا تھا خسرو کو زندہ سلامت لے آنے کو نہیں کہا تھا۔ سو اب تم لے آئے ہو تو حکم کی تعمیل کرو اور خسرو کا سر قلم کر کے ہمارے سامنے لاؤ تا کہ تمہاری وفاداری کا علم ہو۔ سو دوسرے دن بادشاہ نے امیر کا بلایا اور بختک کا پڑھایا ہوا سبق سنایا۔ امیر یہ سنتے ہی نہایت غمگین ہوا مگر بادشاہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کیا اور عمر سے کہا کہ جاؤ اور خسرو کو بلا لاؤ تا کہ حکم بادشاہ کی تکمیل کی جائے۔ سو عمر خسرو تک پہنچا اور اسے بادشاہ کا حکم اور امیر کا فرمان سنایا سو خسرو نے سر جھکایا اور کہا جیسے امیر کی مرضی۔ اگر امیر اسی میں راضی ہے تو مجھے مرنے میں کوئی حرج نہیں۔

یہ سن کر عمر مسکرایا اور کہا کسی کی مجال کہ خسرو پر نگاہ بد ڈال سکے۔ دیکھتے جائے جو کچھ ہوتا ہے یہ کہہ کر عمر نے خسرو کو ایک ہاتھی پر بٹھایا اور دونوں چل پڑے۔ جس وقت خسرو جلاد خانے میں آیا تو لوگ جتنے وہاں تھے خسرو کے جاہ جلال کو دیکھ کر ڈر کے بھاگ گئے اور شور کی آواز محل تک آئی۔

بادشاہ نے پوچھا باہر کیا ہو رہا ہے لوگوں نے عرض کی کہ خسرو بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اتنی دیر میں خسرو محل میں آ گیا۔ محل میں جس نے بھی خسرو کو دیکھا کانپ اٹھا۔ امیر نے کہا اے خسرو بادشاہ کو تمہارا سر درکار ہے۔ جلاد خانے کے صحن میں جا کے بیٹھو اور بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرو۔

خسرو نے کچھ جواب نہ دیا اور جلاد خانے میں گیا اور گرز کو زمین پر رکھا اور اسی کو تکیہ بنا کر بیٹھ گیا۔ سو بادشاہ نے عادی حکم دیا کہ جا اور خسرو کا سر کاٹ لا۔ عادی بادشاہ کا حکم سن کر خسرو کے پاس گیا۔ دیکھا کہ خسرو بیٹھا کہہ رہا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرا سر امیر کی اطاعت میں کٹ رہا ہے۔

عادی پہلوان نے یہ بات سنی سو خسرو کے برابر زمین پر بیٹھ گیا اور فیصلہ کیا کہ جو خسرو کا سر کاٹنے کو آئے گا جب تک میرا سر نہ کاٹے گا خسرو تک نہ پہنچ سکے گا۔ عمر بھی ایک کونے میں کھڑا سارا تماشا دیکھ رہا تھا جب بادشاہ کو خبر ہوئی کہ عادی پہلوان

خسرو کو مارنے کی بجائے اس کے ساتھ بیٹھ گیا ہے تو بہت ناراض ہوا۔ سو اس بار امیر نے سلطان بخت مغربی کو بھیجا وہ بھی جا کر بیٹھ گیا۔ تب امیر نے بہرام کو بھیجا اور وہ بھی یہ کہہ کر وہاں بیٹھ گیا کہ امیر یہ جلادی کسی اور کو دیں ہم خسرو کے ساتھ ماریں جائیں گے مگر اس کو نہ ماریں گے۔

سو بختک نے یہ حالت دیکھی تو ایک شاہی جلاد کو حکم دیا کہ خسرو کا سر کاٹ لاؤ۔ سو وہ جلاد خسرو کے قریب اتنے میں ایک شور اٹھا اور ملکہ عالیہ زرانگیز بانو کی سواری دکھائی دی۔ ملکہ نے آتے ہی جلاد کو روک دیا اور باہر نکال دیا اور خسرو کو باقی لوگوں کے سامنے خلعت شاہی عطا کی اپنا شاہی مہمان بنایا۔

یہ خبر بادشاہ کو ہوئی تو پہلے تو بادشاہ بہت گھبرایا پھر سوچا کہ ملکہ نے یہ حرکت بغیر مصلحت نہ کی ہوگی۔ سو بادشاہ دربار برخاست کر کے سیدھا حرم میں پہنچا اور ملکہ سے خسرو کو آزاد کرنے کا سبب پوچھا تو ملکہ نے جواب دیا کہ وہ ہندوستان کو بادشاہ ہے اور بادشاہ بادشاہوں کو ایسے نہیں مارتے کہ بدنامی دوسرے یہ کہ تمہیں مارنے سے کیا حاصل ہوگا اگر اسے قتل کرنا ہے تو پہلے امیر کو قتل کر۔ کیونکہ اگر آپ نے خسرو کو مارا تو امیر بدلہ لے گا تو میں نے یہ جان کر خسرو کو چھوڑ دیا۔ نوشیرواں نے کہا لیکن امیر کو کس طرح مارا جائے۔

زرنگار یہ سن کر خاموش ہوگئی۔ اتنے میں بختک کی ماں آ گئی اور بادشاہ ملکہ کو اس طرح خاموش بیٹھے دیکھ کر کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ ایسے خاموش کیوں ہیں۔

ملکہ نے سب حال کہہ سنایا تو بختک کی ماں نے کہا میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔ کہا فوراً بتا تو اس نے کہا آپ امیر اور شہزادی مہر نگار کی شادی کا اعلان کر دیں اور پھر میں مہر نگار کو ایک تہہ خانے میں بند کر دوں گی کہ انہیں شادی سے پہلے باہر نہیں نکلنا اور آپ یہ افواہ اڑا دیجئے کہ مہر نگار بہت بیمار ہے اور سات روز

بعد یہ خبر مشہور کر دیں کہ مہر نگار مر گئی بس یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گی اور امیر مہر نگار کے غم میں خود بخود دیوانہ ہو جائے گا خود کو مار ڈالے گا۔ بادشاہ نے کہا پھر مہر نگار کا کیا ہو گا تو بختک کی ماں نے کہا اگر گستاخی نہ ہو تو ایک عرض کروں کہ مہر نگار کا بیاہ بختک سے کر دیں بادشاہ نے بات خوشی خوشی منظور کر لی اور یہ سب سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا واقعی اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں پھر بادشاہ باہر تشریف لائے ۔دوسرے دن امیر بھی دربار کے وقت بادشاہ کے سامنے آئے تو بادشاہ نے امیر سے فرمایا کہ اسباب شادی تیار کرو۔ اگلے ہفتے تمہاری شادی ہو گی امیر رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے تو تمام چھوٹے بڑوں نے مبارک باد دی۔ ادھر شہزادی کو بھی یہی خبر سنائی گئی اور کہا کہ اب کئی روز کے لیے سب سے کنارہ کر کے بیٹھو، کہ یہی رسم خاندانی ہے۔

دو دن بعد یہ افواہ اڑادی گئی کہ شہزادی کی طبیعت کچھ خراب ہے۔امیر بھی بڑے پریشان ہوئے۔اسی طرح پانچ دن گزر گئے اور چھٹے دن حرم سے رونے چلانے کی آوازیں آئیں سارے شہر شہزادی کے مرنے کی خبر اڑادی گئی۔امیر نے جب یہ خبر سنی تو زور زور سے رویا اور تنہائی میں جا کر بیٹھ گیا۔کھانا پینا چھوڑ دیا اور سوچا کہ اس زندگی سے مرنا بہتر ہے

عمر نے جب امیر کی یہ حالت دیکھی تو امیر سے کہا صبر کر کیونکہ مجھے دال میں کچھ نظر آتا ہے۔اتنا صبر کر کہ میں وہاں جا کے اس حال کو معلوم کروں۔ خیر بڑی مشکل سے امیر کو راضی کیا اور پھر محل کی طرف روانہ ہوا۔محل میں جا کر ملنے کی درخواست کی۔ملکہ نے سنا تو بختک کی ماں سے مشورہ لیا اور اس نے کہا کہ اسے بلانا ضروری ہے کہ اندر آ کے یہاں کے ماتم کا حال دیکھ لے اور امیر کو جا کے خبر کرے وہ یہ حال سن کر ضرور خود مارے گا۔

اس مشورے سے عمر کو اندر بلایا گیا۔اندر عجیب حالت تھی سب نے سیاہ لباس

پہنے ہوئے تھے اور ہر طرف ماتم کی وجہ سے اندھیرا کر دیا گیا تھا اور اندھیرے ہی میں ماتم ہو رہا تھا، عمر بختک کی ماں کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ملکہ آئی اور بختک کی ماں کے کان میں کچھ کھسر پھسر کر کے چلی گئی۔ عمر نے یہ دیکھا تو سوچا کہ یہ سارا چکر چلایا گیا اور یہ سب بختک کی ماں نے کیا ہے۔ سو عمر نے ساتھ پڑی ہوئی ایک لکڑی اٹھالی۔ بختک کی ماں کچھ دیر بعد اٹھ کر ایک طرف چلی تو عمر نے بھی ایک بڑھیا کی صورت بنائی اور لکڑی ہاتھ میں لے کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ جب بختک کی ماں ایک دروازے میں سے اندر کی طرف گھسی تو عمر نے عورت کی آواز بنا کر کہا ۔اے بہن سنو تو!

بختک کی ماں نے جیسے ہی پیچھے مڑ کر دیکھا عمر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور گلا دبا دیا۔ اور اسے درختوں کے پتوں میں چھپا دیا اور اس کا لباس پہن کر آگے بڑھی تھوڑی دیر بعد اسے ایک کنیز شمع لیے نظر آئی سو اس کے پیچھے ہو لیا وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئی اور عمر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک بڑے تخت پر شہزادی بیٹھی بال سنوار رہی ہے، عمر نے دیکھا تو رہا نہ گیا پاس جا کے کہا کہ میں عمر ہوں تم ادھر آرام سے بیٹھی ہوں ادھر امیر اپنی جان گنواتا ہے اور یہ کہہ سارا حال سنایا شہزادی کو یہ سن کر چکر آیا اور کہا اتنا بڑا ظلم امیر کے ساتھ، ایسی بے وفائی۔ عمر نے کہا خدا کا شکر ہے تم سلامت ہو اب میں جلد ہی تمہاری سلامت کی خبر لے کر جاتا ہوں اور پھر شہزادی سے کہا کہ اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھو امر کو کہ میں سلامت ہوں تاکہ امیر میری بات کو جھوٹ نہ سمجھے سو شہزادی نے ایک خط امیر کے نام لکھا اور عمر وہ خط لے کر واپس لوٹا اور امیر کے پاس آ کر مہر نگار کے زندہ ہونے کی خوشخبری سنائی اور اس کا لکھا ہوا خط دکھایا امیر نے جوش میں آ کر عمر کو گلے لگایا اور خوب پیار کیا۔ عمر نے کہا اب میری ایک بات مانیں۔ آپ اس بات کو راز رکھیے اور باقی سرداروں کے ساتھ سیاہ لباس پہن کر جنازے میں شرکت کیجئے اور پھر دیکھئے میں کس طرح ان

مکاروں کا جھوٹ کھولتا ہوں۔

تو عزیز بچوں! اب دوسرے دن امیر! امیر نے ساتھیوں سمیت سیاہ لباس پہنا اور محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام کے وقت جنازے کی تیاریاں شروع ہوئیں تو بختک کی ماں کا کہیں پتا نہ چلا۔ تب زرانگیز بانو نے اس کی تلاش کا حکم دیا۔ بڑی تلاش کے بعد پتوں میں بختک کی ماں کی لاش پڑی ملی۔ فوراً بختک کو بلایا اور وہ یہ سن کر بہت رویا مگر اب کیا ہو سکتا تھا سو یہ فیصلہ کیا گیا کہ بختک کی ماں کے جنازے کو مہر نگار کا جنازہ بنا کر لے چلیں بختک راضی ہو گیا اور جنازہ باہر نکلا تو بختک آہ و بکا کرتا آگے بڑھا۔ عمر اس کے قریب گیا اور کہا اے بختک تو تو اس طرح روتا ہے جس طرح تیری ماں مرگئی ہے۔ بختک ایک لمحے کے لیے حیران ہوا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا۔ عمر کے ہاتھ میں پٹاخے تھے اور رات کا وقت تھا۔ عمر نے جھپ کر چند پٹاخے جنازہ اٹھانے والوں کے قریب چھوڑے وہ گھبرا گئے اور بھاگے اس طرح چارپائی نیچے گر پڑی اور مردہ زمین پر گر پڑا چہرہ کھل گیا اب جو لوگوں نے دیکھا تو وہاں مہر نگار کی بجائے بختک کی ماں تھی۔ جس نے دیکھا سخت ملامت کرتا واپس لوٹا۔ اور کہا کہ بادشاہ سے ایسی حرکتیں کی قطعی امید نہ تھی۔ سو بادشاہ بھی سخت شرمندہ ہوا کہ بیوقوفوں کے چکر میں پھنس کر مفت میں بدنام ہوا۔

سو سارے شہر میں مہر نگار کی بیماری کی افواہ جو پھیلی تھی ختم ہوئی اور امیر کے کہنے پر عمر امیر کا رشتہ لے کر آیا اور کہا کہ وعدہ کے مطابق اب مہر نگار کا نکاح امیر سے کر دیں۔

بادشاہ نے چالیس دن کی مہلت مانگی کہ جہیز وغیرہ تیار کر لیا جائے تو عمر نے کہا آپ بادشاہ ہفت کشور ہیں جو چاہیں ایک گھڑی میں مہیا کر سکتے ہیں۔ سو بادشاہ نے تین دن بعد شادی کرنے کا وعدہ کیا اور شادی کی تیاریاں شروع ہوئی اب جو بختک نے یہ سنا تو دوڑا دوڑا آیا اور بادشاہ سے کہا کہ آپ کو یہی منظور تھا تو اتنے دن

مکر و حیلہ کیوں کیا اب موقع یہاں تک پہنچا کہ میری اور مہر نگار کی شادی کی بات پھیل چکی ہے تو آپ امیر کو اپنا داماد بنا رہے ہیں بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے پس آپ کو لازم ہے کہ اپنے عہد پر قائم رہے اور میری مہر نگار سے شادی کریں ۔ کیونکہ اگر امیر سے مہر نگار کی شادی ہو گئی تو آپ تخت و تاج سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے غرض اس طرح کی باتیں کیں بادشاہ نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں مجبور ہوں اگر تیرے پاس کوئی معقول وجہ ہے تو بتا تا کہ امیر اور مہر نگار کی شادی کو روکا جا سکے۔

بختک نے یہ سنا تو کہا آپ بے فکر ہو جائیں کوی ایسی ترکیب نکالوں گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے سو دوسرے دن بختک نے چند ایسے آدمیوں کو جمع کیا جن کے کسی سزا میں ناک کان کاٹے جا چکے تھے ۔ سو ان کو بلا کر کہا کہ دیکھوں میں تمہیں بہت پیسہ دوں گا تم اس وقت جب محل میں امیر کی شادی ہونے والی ہو محل میں فریاد لے کر جانا اور اور کہنا کہ ہم شام میں خراج لینے گئے تھے مگر وہاں کے بادشاہ نے ہمارے ناک کان کاٹ دیے ۔ سو یہ سن کر امیر کو غصہ آئے گا اور وہ انتقام کی غرض سے ضرور ان ملکوں کا دورہ کرے سو ایسا ہی بہت کچھ سکھایا ۔ دوسرے دن شادی کیں تیاریاں زوروں پر تھیں اور امیر بادشاہ کے دربار میں تھے کہ زنجیر عدل ہلائی گئی ۔ بادشاہ نے اندر آنے کی اجازت دی تو پانچ آدمی جن کے ناک اور کان کٹے ہوئے تھے دربار شاہی میں حاضر ہوئے اور فریاد کی اور جو مضمون بختک نے پڑھایا تھا فر سنایا ۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر امیر کو بہت غصہ آیا اور جلال میں آ کر فرمایا کہ اگر شام میں جا کر ان سے بزور شمشیر خراج نہ لوں تو بادشاہ کا داماد نہیں کوئی ذلیل کہلاؤں سو یہ سن بادشاہ دل میں بہت خوش ہوا مگر اوپر سے کہا اے امیر تم نے اپنے واسطے یہ برا کیا کہ یہ قسم کھائی ہاں اگر ایسا ہی جانا ضروری ہے تو شادی کر کے چلے جانا مگر امیر نے قبول نہ کیا اور کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک شام کے ملک سے خراج نہ لاؤں گا شادی نہ کروں گا۔

سو امیر نے بہرام اور عادی کو مہر نگار کی حفاظت کرنے کے لیے یہیں چھوڑا اور باقی سرداروں کے ہمراہ جانے کی تیاری شروع کی۔ بادشاہ نے امیر کو خلعت عنایت کی اور ایک پیغام بھی دیا جس میں لکھا تھا کہ میں اپنے داماد کو خراج لینے کے واسطے بھیج رہا ہوں جو کوئی خراج بخوشی نہ دے گا اس بزور شمشیر لیا جائے گا۔ سو دوسرے روز امیر بڑی شان و شوکت سے ۱۲ ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوا اور عمر کو بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر عمر نے کہا تم مہر نگار سے محبت نہیں کرتے بلکہ تمہیں تو لڑائی سے محبت ہے سو تم شام جاؤ میں مکہ چلتا ہوں۔ تمہاری فتح کے بعد ملوں گا۔ امیر نے بہت سمجھایا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا مگر عمر نہ مانا تو امیر نے فرمایا بہت اچھا جیسے تمہاری مرضی۔

ادھر بادشاہ نے ایک خط اپنے ایک خاص آدمی کو دیا جو شام کے عالم کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ ہم نے ایسے ہی خراج کا بہانہ بنایا ہے غرض یہ ہے کہ جیسے ہی امیر تمہارے ملک میں آئے اور جیسے ہی تمہارے قابو میں آئے مار ڈالنا ہرگز نہ چھوڑنا۔ ادھر قارون کو زہر بھی دیا کہ اگر تمہیں موقع ملے تو تم امیر کو پلا دینا تاکہ جان چھٹے اور میری سلطنت کو جو سب سے بڑا خطرہ ہے اس سے نجات ملے۔

سو سب چل پڑے دو ہفتے تک چلنے کے بعد قارون ایک صحرا کے قریب جا کے رک گیا اور صحرا کی طرف دیکھنے لگا تو امیر نے فرمایا اے بھائی کیا دیکھتا ہے۔ عرض کیا کہ یہاں سے دو راستے ملک شام کو جاتے ہیں ایک راستہ تیس دن کا ہے اور دوسرا تین دن کا ہے اب سوچ رہا ہوں کہ کون سا راستہ اختیار کیا جائے۔ امیر نے کہا کہ نزدیک کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ سے جانے کی کیا ضرورت ہے؟

قارون نے کہا کہ ایک مشکل ہے کہ اس تھوڑے راستے میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملتا۔ امیر نے کہا کوئی بات نہیں اور لشکر کو تین دن کے لیے پانی ہمراہ لانے کا حکم دیا۔ سو تین دن کا پانی دیکھ کر سب صحرا میں روانہ ہوئے۔ تین دن تو آرام سے گزرے مگر چوتھے روز پانی ختم ہو گیا اور صحرا بے آب سامنے نظر آیا دوپہر تک تو کسی

طرح بغیر پانی کے گذارا ہوا مگر شام کو پانی بالکل ختم ہو گیا اور سارے فوجی تڑپنے لگے ۔امیر یہ حالت دیکھ کر گھوڑے سے اتر گئے اور زمین پر بیٹھ گئے اور قارون سے فرمایا تو تو کہتا تھا کہ تین روز کے بعد پانی ملے گا اور آج چوتھا روز بھی ختم ہونے کو ہے اور منزل کا پتہ نہیں ۔قارون نے بات بنائی اور کہا کہ میں بارہ سال پہلے یہاں پر آیا تھا جہاں جہاں پانی تھا وہاں اب ریت کے ڈھیر ہو گئے ہیں اس وجہ سے پانی نہیں مل رہا۔سو ادھر ادھر پھرا اور اس کے چھاگل میں جو پانی تھا اس میں زہر ملا دیا اور امیر کے پاس لایا اور کہا بڑی مشکل سے پانی لایا ہوں جو ایک پیالے سے زائد نہیں ۔یہ کہہ کر پانی نکالا اور امیر کو پیش کیا۔امیر نے اس سے پیالہ لے کر پینے کا ارادہ کیا تو جی میں خیال آیا کہ یہ محبت سے پرے ہے کہ میں پانی پیوں اور یہ سب پیاسے رہیں ۔یہ سوچ کر پیالہ خسرو کو دے دیا اور کہا میں تو صحرا کا عادی ہوں سو تم پی لوں ۔خسرو امیر کی یہ محبت دیکھ کر حیران ہوا اور خود نہ پیا اور پیالہ سلطان بخت کو دیا سو اس طرح پیالہ چلتا چلتا واپس امیر کے آیا اور امیر نے پانی پینے کا ارادہ کیا۔

اب بچوں ادھر کی سنئے کہ عمر ملہ کی طرف جا رہا تھا کہ دیکھا کہ ایک بزرگ تیز تیز بھاگا جا رہا ہے ۔عمر بھاگ کر اس کے قریب پہنچا مگر پھر بھی نہیں پہنچ سکا سو زور زور سے آواز دی تو وہ رکے ۔عمر ان کے قریب پہنچا اور کہا اے بزرگ میں نے آپ کو آوازیں دیں اور آپ رکے تک نہیں ۔بزرگ نے کہا تجھ جیسے بےوفا سے بات کرنا بے فائدہ ہے تو اپنے امیر کو چھوڑ کر یہاں بھاگ رہا ہے اور ادھر امیر کو زہر پلایا جا رہا ہے اور تو یہاں مزے اڑا رہا ہے سو عمر نے سارا حال دریافت کیا اور بھاگا اور زور زور سے چیخا ''اے امیر نہ پی۔اے امیر نہ پی''

اب ادھر کی سنئے کہ جیسے ہی امیر پانی پینے لگا تو ایک آواز آئی ''اے امیر نہ پی'' سو امیر نے پانی پینے سے ہاتھ روک لیا اور میدان کی طرف دیکھنے لگا۔اس آواز کو سن کر سب حیران ہوئے ۔قارون آواز سن کر گھبرایا اور کہا یہ صحرا ہے یہاں ایسی

آوازیں آتی رہتیں ہیں۔مگر امیر کو کچھ شک ہوا اور ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دوبارہ آواز آئی امیر نے ہاتھ کو پھر روک لیا اور صحرا کی طرف دیکھا تو گرد سی اڑتی ہوئی نظر آئی امیر نے دیکھا تو عمر دوڑتا ہوا آتا نظر آیا اور یہی کہہ رہا کہ امیر مت پی، مت پی۔عمر جیسے ہی قریب آیا تو فوراً ہاتھ سے پیالہ لے کر پھینک دیا تو اس کا پانی جہاں جہاں پڑا وہاں کی زمین پھٹ گئی اور ایک کپڑے پر چھینٹ پڑی تو وہ کپڑا ریزہ ریزہ ہو گیا۔یہ دیکھ کر قارون ایک سمت کو بھاگ گیا۔

خیر خدا خدا کر کے پانچ دن بعد وہ صحرا ختم ہوا اور امیر شام کی سرحد میں داخل ہوئے تو ایک چشمہ نظر آیا۔جیسے ہی گھوڑے نے پانی پینا چاہا تو جس نے پانی پیا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔تب امیر نے کہا کہ یہ سب شرارت قارون کی ہے چونکہ وہ بھاگ نکلا تھا اس سے ہم سے پہلے یہاں پہنچا اور راستے میں جتنے بھی چشمے آئے اس میں اس نے زہر ملا دیا سو اب کوئی پانی نہ پئے اور جہاں اتنا صبر کیا وہاں کچھ اور صبر کرو۔

اب بچو وہ قارون جو تھا وہ سیدھا شام کے بادشاہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ نوشیرواں کا لکھا ہوا خط اسے دیا۔بادشاہ نے اسے پڑھا تو بڑا حیران ہوا کہ بھلا بادشاہ اپنے داماد کو کیوں مروانا چاہتا ہے۔

بادشاہ شام امیر کی بہادری کے قصے سنتا چلا آ رہا تھا سو اس نے سمجھا شاید یہ آدمی کوئی غدار ہے اور بادشاہ کا جعلی خط اور مہر لگا کے لے آیا ہے۔

قارون سے پوچھا تو قارون نے قسم کھا کر کہا میں سچ کہتا ہوں۔اب قارون جتنا خود کو سچا ثابت کرتا بادشاہ کے دل میں اور بھی شک پیدا ہو جاتا سو بادشاہ کو قارون کی کسی بات کا یقین نہ آیا اور قارون کو قید خانے میں ڈلوانے کا حکم دیا۔

اب بچوں ادھر تو بادشاہ نے قارون کو قید خانے میں ڈلوا دیا اور ادھر امیر اور اس کے ساتھیوں نے شام علاقے میں ایک آبادی کے قریب ڈیرے ڈال لیے۔

جب بادشاہ کو اس بات کی خبر ہوئی کہ نوشیرواں کا داماد اور امیر جس کی بہادری کی

چرچے پوری دنیا میں ہو رہے ہیں شام میں آ چکا ہے تو بادشاہ نے سوچا کہ ایسے جاہ جلال کے آدمی کے جس کے ساتھ ہندوستان کا شہنشاہ خسرو بھی ہے چل کے خود ملنا چاہیے کہ اگر دربار میں بلایا تو کہیں ناراض نہ ہو جائیں۔ سو استقبال کے لیے روانہ ہوا۔

اب ادھر امیر ایک خیمے میں بیٹھے خسرو سے مصروف گفتگو تھے کہ یکا یک حادی نے آ کر خبر دی کہ بادشاہ شام بمعہ اپنے ساتھیوں کے ملاقات کو آ رہیں ہیں۔ امیر یہ سنکر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی اور کئی سرداروں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ سو بادشاہ نے آ کر سلام کیا۔ امیر نے انہیں گلے لگایا اور باتیں شروع ہوئیں اور امیر نے شکوہ کیا کہ ہمارے آدمی خراج لینے آئے تھے آپ نے ان کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا۔

تب شام کے بادشاہ نے کہا یہ کسی کی شرارت ہو گی ورنہ ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ امیر نے کہا اگر آپ کے پاس خزانے کی کمی ہے تو نوشیرواں کو میں خود روپیہ دوں گا۔ تب بادشاہ شام نے کہا نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اللہ کو دیا سب کچھ ہے پھر وہ رسید دکھائی جس میں خراج وصول کرنے کا لکھا ہوا تھا۔ سو امیر کو یقین آیا کہ یہ کوئی چال ہے۔ پھر بادشاہ نے وہ خط بھی امیر کو دکھایا جس میں لکھا ہوا تھا کہ امیر کو جیسے بھی ہو قتل کر دو''۔

سو امیر پڑھ کر بڑ افسردہ ہوئے اور بادشاہ نے سارا حال کہہ سنایا امیر نے سمجھا کہ یہ سارا چکر قارون کا چلایا ہوا ہے کیونکہ نوشیرواں بھلا ایسا کیوں لکھیں گے۔ سو امیر نے شاہ شام سے کہا اگر آپ قارون کو ہمارے حوالے کر دیں تو بڑی مہربانی ہو گی اور بادشاہ نہ یہ بات مان لی اور قارون کو امیر کے حوالے کر دیا۔ اب تو امیر نے سپاہیوں سے کہا کہ اسے خوب مار لگاؤ تا کہ یہ بتائے کہ یہ کس نے لکھا ہے۔

اب جوں قارون کو خوب مار پڑی تو وہ چیخا کہ یہ خط مجھے نوشیرواں نے دیا ہے۔

امیر نے یہ سنا تو اسے اور غصہ آیا کہ ابھی تک عقل نہیں آئی کہ بادشاہ کو بدنام کرتا ہے۔ سو مار مار کے قارون کا بھرتا نکال لیا۔

دوسرے دن شاہ شام نے امیر اور اس کے سب ساتھیوں کو شاہی محل میں بلایا اور خوب خاطر مدارت کی۔ اور ایک سال کا ایڈوانس خراج بھی دے دیا تا کہ خالی ہاتھ نہ لوٹیں اور بے شمار تحفے تحائف امیر اور امیر کے ساتھیوں کی نظر کیے اور کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں تو فقط دوستی کا طالب ہوں اور آپ کے آنے سے میری جو عزت افزائی ہوئی ہے۔ میں اس کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔

سو شاہ شام نے اتنی خاطر مدارت کی کہ امیر اس کے حسن وسلوک سے بہت متاثر ہوئے اور اسے اپنا دوست بنا لیا۔ اس خوشی میں چالیس دن تک سارے ملک میں جشن منایا گیا۔

چالیس دن تک قیام کرنے کے بعد امیر نے واپس آنے کی ٹھانی اور شاہ شام سے اجازت طلب کی شاہ شام نے کہا کہا بھیجنے کو دل تو نہیں چاہتا مگر مجبور ہیں کہ آپ کا جانا بھی ضروری ہے۔

سو بڑی شان وشوکت کے ساتھ امیر اور آپ کے ساتھیوں کو رخصت کیا گیا اور بادشاہ سرحد شام تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ اور امیر خراج لے کر فاتح کی حیثیت سے وطن روانہ ہوئے۔

امیر اور مہر نگار کی شادی

عزیز بچوں! بادشاہ نے امیر کو شام بھیج کر سمجھا تھا کہ اب امیر سے خلاصی ہوگئی اور اس کے ساتھی بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اب امیر کبھی بھی زندہ سلامت واپس نہیں آئے گا اور اتنے دن گزر گئے تھے، سو بادشاہ بہت خوش تھا۔ روزانہ محل میں جشن منعقد

کیے جاتے اور بادشاہ کے جھوٹے ساتھی بادشاہ کو امیر کے خلاف بھڑکاتے اور کہتے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ امیر کو ہم نے بہت سی تدبیروں اور اپنی عقل مندی کی وجہ سے ملک بدر کیا۔ وہ جنگلوں اور صحراؤں کی خاک چھان رہا ہوگا اور اگر زندہ بچ گیا تو ملک شام کے بادشاہ کی قید میں ہوگا اور اس نے امیر کو غلام بنا کے رکھا ہوگا۔

مگر ایک دن اچانک ایک خاص سپاہی دوڑا دوڑا آیا اس نوشیرواں سویا ہوا تھا۔ سو اس نے کہا بڑی اہم خبر ہے۔ سو بادشاہ کو اٹھایا اور اس سپاہی نے کہا جس امیر کو آپ سمجھ رہے کہ مر گیا ہوگا زندہ سلامت ہے اور واپس آ رہا ہے۔

اب تو بچوں نوشیرواں کو کوئی تدبیر نہیں سوجھی اور تمام وزراء کو بلایا اور سب کو کہہ سنایا کہ امیر پھر سے فتح یاب ہو کر لوٹ آیا ہے اور اس کو ہمارے سارے منصوبے کا پتہ چل گیا وہ ہمیں جھوٹا جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت وہ علم بغاوت کر دے اور یہ سچ بھی ہے ہم نے اس مروانے کے لیے کیا کیا تدبیریں نہ کیں۔ مگر جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے۔ قدرت نے اسے زندگی دی وہ موت کے منہ سے بھی ہنستا کھیلتا باہر آیا۔ لیکن اب کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا ورنہ امیر میری سلطنت کو تباہ کرے گا اور مجھے ذلیل و خوار کرے گا۔

سب وزراء نے کہا کہ ہم نے امیر کے خلاف کیا کچھ نہ کیا مگر ہماری ساری تدبیریں ناکام ہوئیں اس کی تقدیر جیت گئے سو اب کیا تدبیر کی جائے۔ بادشاہ سلامت کچھ دن کی مہلت دیں تو کچھ سوچا جائے۔

بادشاہ نے سب کو ایک ہفتے کی مہلت دی اور دربار برخاست ہوا۔

ادھر امیر شہر سے باہر خیمہ زن ہوئے اور سب سے کہا کہ سب سے پہلے یہ خوشخبری نوشیرواں کو دی جائے گی یہ سن کر عمر سے رہا نہ گیا اور عمر نے کہا اے امیر اگر گستاخی نہ مانو تو ایک بات کہوں۔

امیر نے اجازت دے دی تو عمر نے کہا کہ ہم نے آپ کے ساتھ کیا کیا

وفاداریاں نہ کیں ۔یہاں تک کہ غیروں نے بھی آپ پر جان قربان کی مگر نوشیرواں نے طرح طرح سے آپ کو مروانے کی سوچی ،طرح طرح سے چکر چلائے اور آپ ہیں کہ اس کے اب تک وفادار ہیں ۔حیرت ہے آپ جیسا بہادر نوشیرواں کے سامنے بھیگی بلی بن کر اس کی ہر بات کیوں مان لیتا ہے۔

امیر کو یہ سن غصہ آیا اور کہا اے عمر یو کیا سمجھتا ہے ہم نوشیرواں سے خوف زدہ تو ہمیں بزدل خیال کرتا قسم خدا کی ہم اب تک اس کی بزرگی کی وجہ سے اس کا احترام کرتے ہیں اور یہ کہ وہ ہمیں داماد بنانے کے لیے کہہ چکا ہے اب اس لڑنا مناسب نہیں ۔مہر نگار اس کی بیٹی ہے اور ہماری بیوی بننے والی ہے۔

یہ سن کر عمر نے کہا وہ آپ کی بیوی جب تک نہیں بن سکتی جب تک نوشیرواں زندہ ہے وہ اپنی بیٹی کی شادی کبھی بھی آپ سے نہیں کرے گا۔

امیر نے کہا مجھے علم ہے مگر کیا کیا جائے عمر نے کہ آپ کے پاس طاقت ہے ۔میں جا کے مہر نگار سے پوچھتا ہوں کہ اس کی مرضی کیا ہے آیا وہ اپنے باپ کا ساتھ دے گی یا امیر کا،

امیر نے عمر کو اس بات کی اجازت دے دی اور کہا دیکھو مہر نگار سے پیار سے بات کرنا ۔کیونکہ کوئی بھی بیٹی اپنے باپ کے خلاف نہیں ہوتی جب تک ٹھوس حقائق نہ ہوں سو امیر نے عمر کو بہت کچھ سمجھا کر مہر نگار کی طرف روانہ کیا اور خود بادشاہ کے دربار میں گیا تا کہ بادشاہ سے آخری بات کرے۔

امیر نے دربار کے باہر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی ۔نوشیرواں نے جب یہ سنا کہ امیر ملنے آیا ہے بڑا گھبرایا اور سوچا کہ اب کیا کرے ۔سو بڑی مشکل سے امیر کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔

امیر اندر گیا تو دیکھا کہ نوشیرواں آرام سے تخت پر دراز ہیں ۔اس نے بڑھ کر امیر کو خوش آمدید بھی نہیں کہا امیر کو کچھ غصہ آ گیا ۔آگے بڑھا نوشیرواں کو سلام کیا

نوشیرواں نے بڑے غصے سے جواب دیا اور کہا بتاؤ اس وقت دربار میں کیا لینے آئے ہو۔

اب تو امیر کا صبر کا پیانہ لبریز ہوگیا اور کہا اے بادشاہ تو ظالم ہو کر عادل کہلاتا ہے۔تو مجھے بتا کہ میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ تو ہر گھڑی مجھے نقصان پہنچانے کی درپے ہے میں نے تجھ سے تیری بیٹی کا رشتہ مانگا تھا اور تو نے قبول کیا اگر ایسا ہی مجھ سے بیزار تھا تو کیوں اقرار کیا۔میں نے ساری زندگی تیری وفاداری کی، دوستوں کو تیری خاطر دشمن بنایا اور اب تو ہی مجھے قتل کروانے کی سازشیں کر رہا ہے ہر لمحے تو نے مجھ پر شرطیں لگائیں، طرح طرح کے بہانے کیے۔میں نے تیری ہر شرط مانی تو نے اول کہا کہ اگر میں خسرو کا سر لے آؤں تو مہر نگار کو پاؤں۔پھر مجھے ہندوستان کی مہم پر بھیجا اور تو نے میرے پیچھے میری موت کا اعلان کیا اور مہر نگار روز بان کے سپرد کرنے لگا مگر وہ بھاگ نکلا، تو نے صحراؤں میں مجھے اپنے رفیقوں کی مدد سے بار بار زہر دلوایا اور دوسرے ملکوں کے بادشاہوں کو کہا کہ مجھے جہاں دیکھیں ماردیں۔مگر خدا میرا حامی وناصر تھا۔اس نے مجھے ہر بلا سے بچایا۔پھر تو نے اپنی بیٹی کو کہا کہ مرگئی اور چپکے سے اسے بخت کے حوالے کرنا چاہا وہ تو تیرے ڈھول کا پول کھل گیا اور اللہ نے مجھے سرخرو اور تجھے ذلیل کیا تجھے اب بھی میرے من میں کھوٹ نظر آتی ہے۔اگر اب بھی تو میرے ساتھ صلح کرے گا اور مہر نگار اپنی رضامندی سے میرے نکاح میں دے دے تو بہتر ہے ورنہ قسم ہے اللہ کی تیرے ساتھ وہ سلوک کروں گا کہ حساب خدا کو معلوم ہوگا۔

سو امیر نے پہلی بار نوشیرواں کو کھری کھری سنائیں اور وہ چور بنا سب کچھ سنتا رہا، خاموش رہا اور کہا مجھے ایک ہفتے کی مہلت دو۔امیر نے منظور کیا اور واپس روانہ ہوا۔

اب بچوں ادھر عمر مہر نگار کے پاس پہنچا۔باتوں باتوں میں اس کے باپ کی

کرتوتوں کو بتایا تو مہر نگار کو غصہ آیا اور کہا کہ اے عمر تو ٹھیک کہتا ہے میرے باپ نے بادشاہ ہو کر مجھے دھوکا دیا اور اس نے تو اپنی سی کوشش کی کہ میں امیر کے نکاح میں نہ جاؤں مجھے آپ نے بچایا۔ قسم خدا کی اگر میری شادی ہوگی تو امیر سے ورنہ میں مر جاؤں گی۔

سو عمر نے طرح طرح کی چکنی چپڑی باتیں کر کے مہر نگار کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اپنے باپ سے صاف صاف کہہ دے گی کہ وہ امیر کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔ سو عمر مہر نگار کو بہت کچھ کہہ کر واپس لوٹا۔

ادھر بادشاہ نے فوراً خصوصی اجلاس طلب کیا سب سے مشورہ مانگا اور سب حال کہہ سنایا بہت سوں نے کہا کہ امیر کی بات معقول ہے مان لی جائے مگر بختک اور کئی دوسرے سرداروں نے یہ بات نہ مانی اور کہا امیر ہمارے بادشاہ کو ڈرا کر گیا۔ بھلا ایک سپاہی کی مجال ہے کہ ہمارے بادشاہ کو ڈرائے اور اپنے زور بازو سے بادشاہ کو زیر کرنے کی کوشش کرے اگر امیر یہ چاہتا ہے تو فیصلہ میدان جنگ میں ہو جائے گا کہ کس بازو میں کتنا دم ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بادشاہ سے زبردستی کوئی بات منوائی جائے۔ کیوں نہ ایسے انسان کو ایسا مزہ چکھایا جائے کہ زندگی بھر یاد رکھے کہ بادشاہ سے بات کسی طرح کی جاتی ہے۔

سو ایسی باتیں کیں کہ سارا دربار امیر کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ اور کہا کہ امیر کو خود پر بڑا مان ہے اب ہم یہ مان توڑ کر ہی دم لیں۔

سب نے جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ جب امیر کو پتہ چلا تو اجلاس طلب کیا اور کہا میں لڑنا تو نہیں چاہتا تھا مگر نوشیرواں نے حملہ کی تیاری کر لی ہے اب تو ہم مجبور ہیں۔ سو امیر اور سارے ساتھی شہر سے باہر چلے گئے اور خیمے تان لیے۔

دوسرے دن نوشیرواں کی فوج بھی میدان میں آ گئی دونوں طرف سے نقارہ جنگ بجا۔

بختک نے کہا دیکھوں پہلے کون آتا ہے۔ اتنے میں گرد پیدا ہوئی۔ جب گرد کم ہوئی تو عمر معدی کرب پیدا ہوا نو گز کا آدمی اپنے چوالیس بھائیوں اور چار سو سپاہیوں کے ہمراہ میدان میں آیا۔ اسے دیکھ سب حیران ہوئے اور نوشیرواں کی فوج کو یہ تان نوش دیکھ کر چکر سا آ گیا ابھی معدی کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں کہ خسرو کی سواری آئی کہ سات سو ہاتھی داہنی طرف چودہ سو گھوڑے بائیں طرف اور ہزاروں سپاہیوں کے لشکر سمیت عالی شان ہاتھی پر سوار ظاہر ہوا کہ وحشت سے ہاتھی کانپتے تھے گھوڑے ہانپتے تھے۔

غرض یہ کہ ایک ایک کر کے امیر کے ساتھی میدان میں جمع ہوتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد مشرق و مغرب کا آفتاب امیر میدان میں اس شان سے آئے کہ اس کے پیچھے تین ہزار غلام و لونڈیاں اور بے شمار پہلوانوں کے ساتھ ہزاروں گھوڑے ہاتھی تھے اور امیر کے گھوڑے کے قدموں کی خاک تو آسمان تک پہنچتی تھی۔ تب امیر پکارے کہ کوئی جانتا ہے تو جانے اور نہیں جانتا تو اب پہچانے کہ میں امیر ہوں اور جس کو موت کی آرزو ہے میدان میں آئے۔

نوشیرواں نے بختک سے کہا کہ کسی کو میدان میں امیر کے مقابل بھیجو۔ بہت سے پوچھا مگر ہر ایک امیر کے مدمقابل جانے سے کتراتا تھا۔ آخر گستم کو راضی کیا اور وہ میدان امیر کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ تب امیر کی نظر گستم پر پڑی تو اپنے ہتھیار کھولنے لگا اور کہا کتنی شرم کی بات ہے گستم جیسے سے لڑو اور ہتھیار پہن کر، صرف لباس زیب تن رہنے دیا۔ سب جنگی ساز و سامان اتار دیا اور تلوار کو ہاتھ میں پکڑ کر آگے بڑھا۔ اور گستم سے وار کرنے کو کہا۔

گستم نے وار کیا اور امیر نے تلوار پر روکا غرض یہ کہ کافی دیر تک گستم وار کرتا رہا اور امیر روکتے رہے یہاں تک کہ گستم تنگ آ گیا اور کہا

اے امیر اب تو بھی تو وار کر، سو امیر نے کہا اگر تیری یہی خواہش ہے تو لے اگر

روک سکتا ہے تو میرے وار کو روک ،یہ کہہ کر وار کیا تو گستم نے وار ڈھال سے روکا مگر ڈھال کٹ کٹ گئی اور تلوار سر میں سے گزرتی ہوئی سینے میں اتر آگئی اور گستم چیخ مار کر زمین پر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا

جب گستم کے لڑکے نے باپ کا یہ حال دیکھا تو اپنے سارے لشکر سمیت امیر کی طرف بڑھا۔عمر نے یہ دیکھا تو آگے بڑھنا چاہا مگر امیر نے روک لیا اور کہا اس لشکر کے لیے تو میں اکیلا کافی ہوں تم تم کھڑے رہ کر تماشاہ دیکھو۔

سو امیر وار کرتا اور اس کے ساتھیوں کو مارتا اس تک پہنچا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

اس کے بعد گستم کا دوسرا بیٹا آگے بڑھا امیر نے اس سے بھی لڑنا شروع کیا اور جی بھر کے لوگوں کو مارا اور اس تک پہنچا اور بڑھ کر ایسی تلوار ماری کہ سر گیند کی طرح اچھل کر سترہ قدم کے فاصلے پر دور جا گرا۔یہ دیکھ کر اسکے سارے ساتھی بھاگ گئے اور امیر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹے۔

اب تو نوشیرواں بڑا گھبرایا اور بختک سے کہا اب تو جا اور قسمت آزما۔بختک دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔مگر کہا کہ اب شام ہونے والی ہے،امیر بھی لڑتے لڑتے تھک گیا ہے اب جا کر ماروں گا تو لوگ کہیں گے ایک تھکے پر وار کیا ،سو اب جنگ بند کرنے کا طبل بجوایا جائے۔کل صبح تازہ دم ہو کر لڑنے میں مزہ آئے گا۔سو اس دن جنگ کو ختم کر دیا گیا۔

دوسری صبح طبل جنگ بجوایا گیا تو بختک اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ میدان میں ۔امیر نے بختک کو اپنے سامنے دیکھا تو مسکرایا اور کہا

اے بختک مجھے علم نہ تھا کہ رب نے تیری موت میرے ہاتھ سے لکھی ہے۔تو نے مجھے بارہا مارنے کی کوشش کی لیکن رب نے مجھے بچایا چونکہ تیری موت میرے ہاتھ سے لکھی تھی۔

بختک نے کہا۔امیر آج فیصلہ ہو جائے گا کہ کس کی موت کس کے ہاتھ سے لکھی ہے ۔یہ کہہ کر دس من کا گرز اٹھایا اور پوری قوت سے امیر کے سر پر دے مارا کہ اس کی آواز تمام بیاباں میں گونجی اور زلزلہ سا آ گیا، امیر نے ایک طرف ہو کر وار کو روکا ۔سو اسی طرح بختک نے کئی حملے کیے مگر امیر چابکدستی سے ہر وار کو رد کرتے رہے آخر امیر نے طیش میں آ کر پندرہ من کا گرز اٹھایا اور مارا بختک بچا اور گرز گھوڑے کا لگا تو گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور بختک زمین پر گر پڑا اور اس کے بدن سے پسینہ ٹپکنے لگا۔امیر مسکرائے ،ساتھیوں نے دوڑ کر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور دوسرا گھوڑا لا کر اسے سوار کیا۔بختک جیسے ہی گھوڑے پر سوار ہوا نوشیرواں نے سوچا کہ اب بختک کا امیر کو شکست دینا ناممکن ہے سو تمام فوج کو یک دم امیر پر ٹوٹ پڑنے کو کہا۔امیر دن بھر کے تھکے تھے ۔امیر کی فوج نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی حملہ کیا۔مگر نوشیرواں کے سارے فوجیوں نے امیر کا گھیراؤ کیا اور ایک گرز امیر کے سر پر لگا جس سے آپ کا سر پھٹ گیا اور زخم کاری آیا۔امیر کو وہاں سے نکالا گیا اور خیمہ میں لایا گیا اور جنگ اس دن کے لیے بند ہو گئی ۔

رات کو جب مہر نگار کو پتہ چلا کہ امیر کو زخم آیا ہے اور نوشیرواں نے امیر سے دھوکا کیا ہے تو امیر سے ملنے کے لیے بے چین ہو گئی۔بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے مردانہ کپڑے پہنے اور محل سے نکل کر امیر کی طرف روانہ ہو گئی ۔دیکھا دروازے پر عمر وعدی پہرا دے رہا ہے تو وہاں جا کر کہا میں امیر کا وفادار ہوں اور نام میرا ختم عیار ہے دروازہ کھول دو ۔سو وعدی نے اجازت دے دی اور مہر نگار اندر چلی گئی ۔اچانک عمر جو وہاں سے گزر رہا تھا نے ایک شخص کو آتے دیکھا قریب آیا اور اچھی طرح سے دیکھ کر پہچان لیا کہ مہر نگار ہے۔

تب حیرت سے انگلی دانتوں میں دبا لی اور مہر نگار سے کہا کہ آپ اور یہاں۔

مہر نگار نے کو اپنا نام عمر کی زبان سے سنا تو کہا خدارا کسی اور پر یہ راز ظاہر نہ کرنا

محل سے نکل آنے کا بس یہی ایک راستہ تھا سو یہ بھیس بدلا۔عمر بہت خوش ہوا اور امیر کی طرف لے کر چلا۔امیر نے مہر نگار کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے ۔مہر نگار نے کہا میرے والد کی وجہ سے آپ کو بہت رنج پہنچا ہے انہوں نے ہر طرح سے آپ کو تکلیفیں دینے کی کوششیں کیں وہ قطعی طور پر قابل تکریم نہیں ،مگر میرے والد ہیں اس لیے ان کی عزت ہر حال میں مجھ پر واجب ہے سو مجبور ہوں لیکن اب جب کہ تمہارے زخم ٹھیک نہیں ہوتے میں یہیں رہ کر تمہاری خدمت کروں گی ۔امیر مسکرائے اور کہا تم میرے ساتھ خوش رہو گی تو مہر نگار نے کہا یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں ۔

امیر نے کہا تمہارے والد یہ پسند نہیں کرتے اور وہ میرے دشمن ہیں اور میرے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہیں ۔

تب مہر نگار نے کہا کہ کل آپ ایک نامہ لکھ کر دیں جس میں کہلا بھیجیں کہ اے نوشیرواں ہمیں آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے ہم آخری بار کہتے ہیں مہر نگار کی شادہ ہم سے کر دو اگر آپ مان جائیں گے تو ابھی جنگ بند کر دی جائے گی اور اگر آپ نہ مانے تو زبردستی آپ سے مہر نگار لے لی جائے گے ۔کیونکہ مہر نگار کی بھی یہی مرضی ہے۔

امیر نے کہا ٹھیک ہے۔جیسے تم کہو۔اسی وقت کاغذ قلم اٹھایا اور ایک نامہ جیسا کہ مہر نگار نے کہا تھا نوشیرواں کے نام لکھا۔

دوسرے دن وہ نامہ عمر کو دیا اور کہا کسی طرح یہ نامہ نوشیرواں کو دینا اور اس کا جواب لانا۔سو دوسرے دن جب جنگ شروع ہوئی تو امیر کے ساتھی بڑی بہادری سے لڑے اور عمر بھی لڑتا ہوا نوشیرواں تک پہنچا اور اسے پیغام دیا اور جواب مانگا۔

نوشیرواں خط پڑھتے ہی طیش میں آ گیا اور کہا ہم جنگ جاری رکھیں گے فتح ہمارے سامنے ہے اور سپاہیوں سے کہا کہ عمر کو پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو کہ یہی اصل

فساد کی جڑ ہے اور اس کے سبب ہمیں بڑے دکھ ملے ہیں۔

سپاہی عمر کی طرف دوڑے تو عمر نے فوراً ٹوپی پہن لی اور سب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور بچتا بچاتا واپس آیا اور نوشیرواں کے سپاہی منہ دیکھتے رہ گئے۔ آ کر سارا حال سنایا۔ اب تو مہر نگار نے کہا کہ اگر بادشاہ یہی چاہتا ہے تو ہمے بھی جنگ منظور ہے اور حکم دیا کہ کل زبردست جنگ ہو کہ فیصلہ کا دن بن جائے۔ سو مہر نگار نے امیر کی جگہ خود سارے انتظامات کیے سپاہیوں کو اور فوج کے سرداروں کو ہدایات دیں اور آدھی رات تک زبردست تیاری مکمل کرنے کے بعد مہر نگار امیر کے پاس آئی اور کہا اے امیر انشاءاللہ فتح آپ کی ہوگی۔

دوسرے دن مہر نگار خود میدان جنگ میں گئی بڑے زور کی جنگ ہوئی امیر کے ساتھی بڑے جوش سے لڑے اور نوشیرواں کی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ نوشیرواں نے یہ دیکھا تو گھبرا گیا اور بھاگنے کی کوشش کی مگر خسرو نے پیچھا کر کے پکڑ لیا اور سیدھا امیر کے پاس لا کر قید کر دیا۔

جب مہر نگار فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹی تو امیر نے اس کی بڑی تعریف کی اور کہا یہ کامرانی آپ کی وجہ سے ہمیں ملی ہیں کہ میری جگہ آپ نے لے لی اور وہ بہادری دکھائی کہ بڑے بڑے سورما منہ چھپائے پھرتے ہیں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ خسرو نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سو امیر نے دے دی اور خسرو اندر تشریف لائے اور کہا بہت سے جنگی قیدیوں میں بادشاہ نوشیرواں بھی ہے حکم ہو تو سب کو قتل کر دیا جائے۔ یا سب کی ٹانگیں توڑ دی جائیں کہ آئندہ اٹھ بھی نہ سکیں اور نوشیرواں کو قتل کر دیا جائے۔

امیر نے کہا جو مہر نگار کہے وہی کرو۔ ویسے میر خیال میں نوشیرواں میرے باپ کے برابر ہیں اس لیے انہیں رنج مت دو کہ لاکھ دشمن سہی پھر بھی ہمارے محسن ہیں اور دورے سپاہیوں کو بھی دکھ نہ دو آخر وہ بھی کبھی ہمارے ساتھی تھے اور ان کا کام تو

صرف حکم کی تعمیل کرنا ہوتا ہے۔

مہر نگار نے بھی کہا کسی کو تکلیف نہ دو جو میں کہتی ہوں سنو یہ کہ نوشیرواں کو جلاوطن کردو اور کہہ دو کہ پھر ادھر کا رخ نہ کرے۔ باقی سپاہیوں کے سر منڈھوا دو اور ایک ایک مونچھ کٹوا دو اور آدھی آدھی ڈاڑھی منڈوا دو اور کہہ دو اب تو چھوڑ رہے ہیں اگر پھر کبھی ایسی حرکت کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ ہاں اور ایک بات سن لو امیر کی طبیعت بحال ہو رہی ہے سارے **ملک** میں اعلان کروا دو کے اب شاہ **ملک** نوشیرواں نہیں امیر ہے۔ سو خسرو نے ایسا ہی کیا اور امیر کے بادشاہ ہونے کا اعلان سارے **ملک** میں کروا دیا اور کہہ دیا جو مخالفت کرے گا پچھتائے گا سو جس نے سنا شکر ادا کیا کہ امیر جیسا بادشاہ ہم کو ملا۔ چالیس دن تک **ملک** میں چراغاں کیا گیا اور امیر مہر نگار کے ساتھ محل میں آئے کچھ دن اسی طرح گزر گئے تو امیر نے ایک بزرگ جو رشتہ میں امیر کی پھوپھی تھی کے ہاتھ مہر نگار کے پاس رشتہ مانگنے بھیجا۔ مہر نگار کی ماں راضی ہوگئی اور کہا ہمیں امیر کی ہر بات منظور ہے۔ جب چاہے بارات لے آئے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں اگر نوشیرواں یہاں ہوتے تو خوشی دوبالا ہو جاتی وہ بڑھیا خوشی کی خبر لے کر واپس آئی اور سارا حال امیر کو سنایا امیر یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور عمر کو بلایا اور کہا،

اے عمر کچھ خبر ہے کہ نوشیرواں کہاں ہیں؟ عمر نے کہا میں نے سنا ہے کہ ھوم و مشقی کے ہاں پناہ لے کر آپ کا منتظر ہے

امیر نے کہا کہ کسی سردار کو دمشق بھیجو جو ھوم مشقی کو تحفے تحائف دے اور میری طرف سے سلام پہنچائے اور کہے کہ نوشیرواں ہمارے **ملک** کا بادشاہ ہے اسے واپس کر دو اگر وہ واپس کر دے تو شان و شوکت کے ساتھ واپس لے آؤ ورنہ ہم بزور شمشیر نوشیرواں کو حاصل کرلیں گے۔

سو فوراً ایک نامہ بر ھوم مشقی کی طرف بھیجا گیا اس نے جیسے ہی پڑھا ڈر گیا وہ امیر

کی طاقت سے خوب واقف تھا اس نے نامہ بر کو کہا تم یہیں قیام کرو ہم سوچ کر جواب دیں۔

سو فوراً اندر گیا اور نوشیرواں سے کہا۔ اے بادشاہ سلامت آپ کا آنا ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات تھی لیکن اب معاملہ الٹ ہوتا جا رہا ہے۔ امیر کو پتہ چل گیا ہے کہ آپ کو میں نے پناہ دے رکھی ہے سو بڑی مصیبت آئے۔ میں مفت میں مارا جاؤں گا۔

نوشیرواں نے جو یہ بات سنی تو بہت گھبرایا اور فکر مند ہوا اور سمجھا شاید اب امیر مجھے مارے بغیر دم نہ لے گا وہ ایک بار پھر امیر کی دوستی کو دشمنی سمجھا جب کہ امیر تو نوشیرواں کو واپس لانا چاہتا تھا۔ مگر نوشیرواں دوسروں کے بہکاوے میں آ کر امیر سے ڈرتا ہی چلا گیا اور اس کو اپنی جان کا دشمن سمجھنے لگا۔

سو اس نے ھوم وشقی سے کہا کہ امیر میری جان کا دشمن بنا ہے میرے ملک پر قبضہ بھی کر چکا ہے اور میرے سب ساتھیوں کو میرے خلاف بھی کر چکا ہے اور کوئی بعید نہیں وہ مجھے پکڑنے کے لیے تمہارے ملک پر حملہ کر دے سو میں یہاں سے چلتا ہوں کہ اس کی مخبری بہت زیادہ ہے تم جو نامہ بر آیا ہے اس سے کہہ دو کہ چند دن پہلے نوشیرواں یہاں سے چلے گئے تھے اب وہ یہاں نہیں ہیں۔

سو ھوم وشقی واپس آیا اور نامہ بر کو بلایا اور ایک خط امیر کے نام لکھا جس میں لکھا تھا آپ ہمارے دوست ہیں اور دوست دوستوں پر حملہ نہیں کرتے جہاں تک نوشیرواں کا سوال ہے یہ ضرور ہم نے انہیں پناہ دی کہ وہ ہمارے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ لیکن چند دن پہلے وہ یہاں سے چلے گئے ہیں اور یہ بتا کے بھی نہیں گئے کہ وہ کہاں گئے ہیں اگر وہ یہاں ہوتے تو ہم انہیں خود آپ کے حوالے کر دیتے۔

نامہ بر یہ پیغام لے کر واپس لوٹا تو امیر نے یہ پیغام مہر نگار کی ماں کو دیا جو پیغام کو پڑھ کر بہت روئیں اور کہا نہ جانے نوشیرواں کہاں ہو گے۔

امیر نے کہا۔اے اماں جان آپ پر میری جان بھی قربان ۔نوشیرواں میرے بھی باپ کی جگہ تھے مگر انہوں نے لوگوں کے کہنے پر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا مارا ہے ۔سو میں مجبور ہوں میں نے تو چاہا تھا کہ وہ نہ لڑیں مگر وہ میرے مدمقابل آئے میں کر سکتا تھا۔

مہر نگار کی ماں نے کہا خیر جو تقدیر میں لکھا تھا سو ہو کے رہا اس میں نہ تمہارا قصور ہے نہ ہمارا۔

سو اسی طرح کئی دن گزر گئے اور امیر سلطنت کے کاموں کو نپٹانے میں مصروف ہو گئے ۔دو ماہ کے بعد مہر نگار کی ماں نے خود درخواست کی کہ اگر اب امیر چاہیں تو شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے۔

امیر یہ خبر سن کر بہت خوش ہوئے ،۔سب کو بلایا سب آئے ۔امیر نے سب سرداروں کو طلب کیا کہ شادی کی کون سی تاریخ ہونی چاہیے۔

نجومیوں کو بھی بلا لیا گیا۔بڑے بحث و مباحثہ کے بعد ۱۳ شعبان تاریخ نکلی سو اسی دن خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔دلہن پر صدقے واری ہونے کے لیے روزانی بے شمار لوگ آتے۔

شادی کی تیاریاں بڑے زور و شور سے جاری تھیں ۔روزانہ ہزاروں روپے کی خریداری ہوتی ہر طرف خوشی تھی قہقہے تھے آخر شادی کا دن آ ہی پہنچا۔

امیر کو دولہا بنایا گیا اور امیر چاند کی طرح دولہن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر دلہن کو بھی خوب سجایا گیا تھا۔سارا ملک کو دعوت عام تھی ۔جگہ جگہ دیگیں چڑھی ہوئیں تھیں ۔عید جیسا منظر تھا عمر اپنی شرارتوں کے ساتھ امیر کے گھوڑے کے آگے چل رہا تھا۔سب خوشی میں جھوم رہے تھے تماشے والے تماشے دکھا رہے تھے ۔بھانڈ گویے شادی کے گیت گا رہے تھے امیر دولہا بنے دلہن کے گھر پہنچے۔

ایک پر وقار تقریب میں دونوں کو نکاح پڑھوایا گیا۔اور امیر دولہن کو لے کر واپس

اپنے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

دونوں کی شادی کی خوشی میں چالیس دن تک **ملک** میں جشن منایا گیا دور دور سے بادشاہ آئے اور تحفے تحائف دیے

جو بھی دولہا اور دلہن کو دیکھتا تھا دیکھتا ہی رہ جاتا دونوں حسن میں لاثانی اور جمال میں بے مثال تھے۔

امیر کے دشمن جو آپ سے چھپے پھرتے تھے امیر نے سب کو بلایا اور عام معافی کا اعلان کیا اور کہا،

اب ہم کسی سے لڑنا نہیں چاہتے کہ لڑائی کرنا اچھا کام نہیں۔تمام بادشاہوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ وہ حتی الامکان جنگ سے پرہیز کریں۔کہ جنگ میں سوائے خون بہنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ہزاروں قیمتی جانیں ضائع ہوتیں ہیں۔

سو اسی طرح تین ماہ گزر گئے اور امیر اور مہر نگار ہنسی خوشی اپنے محل میں رہنے لگے اور ان کا ہر دن عید اور ہر رات شب برات بن گئی۔

-------ختم شد---------